صرف احباب جماعت کی تعلیم و تربیت کے لیے

مدیر: مدثر عزیز

قیمت فی پرچہ -/5 یورو

فون: +49-308735703

Email: generalsecretaryaaiil@gmail.com

احمدیہ انجمن لاہور (جرمنی) کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔

جلد نمبر 01 | 22 جمادی الثانی تا 22 رجب المرجب 1437 ہجری یکم اپریل تا 30 اپریل 2016ء | شمارہ نمبر 8

ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

معراج کی حقیقت

سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جس کو درحقیقت بیداری کہنا چاہیے۔ ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک نوری جسم کے ساتھ حسب استعداد نفس ناطقہ اپنے کے آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے پس چونکہ آنحضرت صلعم کے نفس ناطقہ کی اعلیٰ درجہ کی استعداد تھی اور انتہائی نقطہ تک پہنچی ہوئی تھی اس لئے وہ اپنی معراجی سیر میں معمورہ عالم کے انتہائی نقطہ تک جو عرش عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے پہنچ گئے۔ سو درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے بلکہ ایک قسم بیداری ہی ہے۔ میں اس کا نام خوب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں سے اس سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے۔۔۔۔ معراج مکانی اور زمانی دونوں طرح پر مشتمل ہے اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے ۔۔۔۔ معراج جو مسجد الحرام سے شروع ہوا اس میں یہ اشارہ ہے کہ صفی اللہ آدم کے تمام کمالات اور ابراہیم خلیل اللہ کے تمام کمالات آنحضرت صلعم میں موجود تھے پھر اس جگہ سے قدم آنحضرت صلعم مکانی سیر کے طور پر بیت المقدس کی طرف گیا اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ آنحضرت صلعم میں تمام بنی اسرائیلی نبیوں کے کمالات موجود ہیں۔ ہمارے رسول کریم صلعم کا معراج لطیف اور کامل روحانی بیداری کے عالم کا ایک اعجازی واقعہ ہے۔ (حمامتہ البشریٰ ص ۳۴)

اداریہ

تکبر

ماہرین اخلاقیات کا کہنا ہے کہ ''برائی جب بھی شروع ہوتی ہے، غرور سے شروع ہوتی ہے۔ برائی کا جب بھی خاتمہ ہوتا ہے تو انکساری کے ذریعہ ہوتا ہے۔''

ماہرین اخلاقیات تو آج اس نتیجہ پر پہنچے جبکہ شریعت محمدیؐ نے یہ بات آج سے کئی سو سال پہلے کہہ دی کہ تکبر کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہے۔ خدا کے نزدیک کسی آدمی کا سب سے بڑا جرم شرک اور غرور ہے۔

انسانوں میں تکبر، حسد، ریاکاری جیسے مرض برسوں سے چلے آرہے تھے ان کی روک تھام دین اسلام نے کی ہے۔ کہ انسان سب سے پہلے تکبر کی نفی کرے پھر ہی وہ انسانیت کی معراج کو پا سکتا ہے۔

ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلے میں جو بھی ظلم یا فساد کرتا ہے ان سب کی جڑ میں کُھلا یا چُھپا ہوا غرور شامل ہوتا ہے۔ غرور کی وجہ سے آدمی حق کا اعتراف نہیں کرتا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ حق کا اعتراف کر کے اس کی بڑائی ختم ہو جائے گی۔ وہ بھول جاتا ہے کہ حق کو نہ مان کر وہ حق کے مقابلہ میں خود اپنی ذات کو برتر قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ اس دنیا میں سب سے بڑی چیز حق ہے نہ کہ کسی کی ذات۔

جس آدمی کے مزاج میں غرور ہو وہ اس دنیا میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موجودہ دنیا میں کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو حقیقتِ واقعہ کے مطابق بنائے۔ وہ وہی کرے جو از روئے حقیقت اس کو کرنا چاہیے اور وہ نہ کرے جو از روئے حقیقت اس کو نہیں کرنا چاہیے۔

مگر مغرور آدمی کا برتری کا مزاج اس کے لیے اس میں رکاوٹ بن جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حقیقت کے مطابق ڈھالے۔ وہ چاہتا ہے کہ حقیقت خود اس کے مطابق ڈھل جائے۔ چوں کہ عملاً ایسا ہونا ممکن نہیں، اس لیے ایسے آدمی کا اس دنیا میں کامیاب ہونا بھی ممکن نہیں۔ جب کہ تکبر وغرور گھمنڈ نہ کرنا ایمان کی علامت ہے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: جو لوگ تکبر نہیں کرتے انہیں کو قرآن کی باتیں سمجھ میں آتی ہیں، پس ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب ان کو وہ آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید (تعریف، حمد وثنا) کرنے لگتے ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

(سورہ السجدہ)

تکبر کیا ہے اس کی وضاحت مسلم شریف کی ایک حدیث سے بخوبی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت رسول اللہ نے فرمایا'' وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا جنت میں نہیں جا سکے گا، اس پر ایک شخص نے پوچھا آدمی چاہتا ہے اس کے کپڑے اور جوتے اچھے ہوں، آپ نے فرمایا'' یہ تکبر نہیں اللہ تعالیٰ صاحبِ جمال ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے''

تکبر کے معنٰی ہیں اللہ کے حق کو ادا نہ کرنا اس کے حکم سے سرتابی (خلاف ورزی) کرنا اور خدا کے بندوں کو حقیر جاننا۔ اگر غور کیا جائے تو کوئی بھی ایسی بات نظر نہیں آتی جس پر انسان تکبر وغرور کرے کیوں کہ انسان کے قبضہ میں تو کچھ بھی نہیں سب کچھ اللہ کا ہی دیا ہوا ہے۔ جب انسان کا اپنا کچھ نہیں تو پھر تکبر کس بات کا۔ چند ایک باتیں جن پر انسان تکبر کرتا ہے۔ حقیقت میں انسان ان میں سے کسی بھی چیز کا مالک نہیں۔ جب ان کا مالک نہیں تو تکبر کس بات کا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اسی لئے دی ہے کہ وہ شکر گزار اور فرماں بردار بندہ بن کر زندگی گزارے۔ جو انسان ان صلاحیتوں کا صحیح استعمال نہ کرے اسے محض کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے کی وجہ سے اشرف (بڑا) نہیں کہا جا سکتا تقویٰ انسان کی بڑائی کا واحد معیار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو بڑائی، گھمنڈ، خودنمائی، غرور، تکبر جیسے گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

معراج النبیؐ کی حقیقت

خطبہ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ

4 فروری 1927ء

ترجمہ: ”وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔ بابرکت بنایا، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت ٹھہرایا کہ میرے سوائے کسی کو کارساز نہ بناؤ۔ (تم) ان کی نسل (ہو) جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا۔ وہ شکر گزار بندہ تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یقینی خبر دے دی تھی۔ کہ ضرور تم ملک میں دو دفعہ فساد کرو گے۔ اور بڑی سرکشی اختیار کرو گے۔ سو جب دونوں میں سے پہلا وعدہ آ پہنچا ہم نے تم پر اپنے سخت لڑنے والے بندے اٹھا کھڑے کئے۔ پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے لوٹا کر تمہیں اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تمہیں بڑا جتھا بنایا۔ اگر تم نے نیکی کی تو اپنا ہی بھلا کیا اور اگر تم نے برائی کی تو اپنے لئے، پھر جب پچھلی بار کا وعدہ آیا، (اور بندے اٹھا کھڑے کئے) تاکہ وہ تمہارا برا حال کریں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے اور تاکہ جس چیز پر وہ غالب آئیں ویران کرتے ہوئے برباد کریں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (کام) کرو گے ہم پھر وہی (سزا) دیں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لئے قید خانہ بنایا ہے۔ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو زیادہ مضبوط ہے اور ان مومنوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ اُن کے لئے بڑا اجر ہے اور کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے لئے دردناک دکھ تیار کر رکھا ہے۔“ (17:1-10)

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ یہ سورۃ بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہے اور اس کی ابتداء اس آیت سے ہوئی ہے جس میں معراج نبویؐ کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلعم کی معراج ایک مشہور واقعہ ہے۔ جس کو کم و بیش ہر ایک مسلمان جانتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ معراج ماہ رجب کی 27 تاریخ کو ہوئی۔ حالانکہ تاریخی طور پر اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ یہ اسی تاریخ کا واقعہ ہے بلکہ اس کے سال کے متعلق بڑا اختلاف ہے۔ عام خیال ہے یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے۔ لیکن بعض لوگ ہجرت سے سولہ یا سترہ مہینہ پہلے کا واقعہ بتاتے ہیں۔ سیرۃ النبیؐ میں بھی، جسے سید سلیمان ندوی نے شائع کیا ہے، یہی لکھا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے پیشتر کا ہے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا بیان تین مقامات پر ہے۔ ایک اسی آیت میں ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ دوسرے اس سورۃ میں آگے چل کہ جہاں فرمایا **وما جعلنا الرویا التی اربنک الا فتنة للناس** (۱۷:۶۰) تیسرے سورۃ النجم میں جہاں فرمایا **ثم دنا فتدلی** (۵۳:۸) یہ دونوں سورتیں ہجرت سے آٹھ سال پیشتر کی نازل شدہ ہیں۔ پس ان میں اس واقعہ کا ذکر ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہ واقعہ بہت پہلے کا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ لوگ تاریخ پر غور کرنے سے پہلے قرآن پر غور نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض امور میں غلطی کھاتے ہیں۔

معراج کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ معراج کیا چیز ہے؟ اور اسے کیوں اتنی وقعت دی گئی ہے

کہ قرآن میں اس پر زور دیا ہے۔ اور روایات میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے۔ بلاشبہ حدیثوں کی کثرت شہادت اور قرآن کی صراحت اس واقعہ کو صحیح ٹھہراتی ہے۔ سورۃ النجم کی جو آیت میں نے ابھی پیش کی تھی، اس میں اس قرب کا ذکر ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کو بارگاہ الٰہی میں حاصل تھا۔ قرآن میں تو صرف اسی قدر ذکر ہے جو میں ابھی بیان کر چکا ہوں۔ البتہ حدیثوں میں اس کی تفصیل یوں مرقوم ہے کہ ایک رات نبی کریم خانہ کعبہ کے اندر سوئے ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے، حضور کا بیان ہے کہ میرے گھر کی چھت پھٹی اور اس میں سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ میرے سینے کو کھولا اور ایک طشت، جو حکمت و ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں انڈیل دیا۔ پھر مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ بیت المقدس گئے پھر آسمانوں پر۔ یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔ اس اثنا میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے آپؐ کی ملاقات ہوئی۔ پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ اور تمام انبیاء نے آپؐ کے پیچھے نماز پڑھی۔

معراج نبوی روحانی تھی یا جسمانی؟

اس مسئلہ پر کہ یہ معراج روحانی تھی یا جسمانی، پہلے کوئی بڑی بھاری بحث نہیں ہوئی۔ اب اس زمانہ میں ضرور ہوئی ہے۔ عام طور پر اس بارہ میں دو مذہب مانے جاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ، امیر معاویہؓ اور حسن بصریؒ قائل تھے کہ آنحضرت صلعم اس عنصری جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ آپ کی روح کو سیر کرائی گئی تھی۔ اور ایک بڑا حصہ یہ بھی مانتا چلا آیا ہے کہ آپؐ اس جسد کے ساتھ گئے۔ ہمارے اس زمانہ میں حضرت مرزا صاحب نے جہاں دین اسلام کے دیگر حقائق پر کچھ روشنی ڈالی وہاں اس امر کو بھی واضح کر دیا کہ معراج اس جسم کے ساتھ نہ تھی۔ بلکہ ایک دوسرے لطیف جسم کے ساتھ تھی۔ جو اہل اللہ کو عالم کشف میں ملتا ہے۔ انسان کی تین ہی حالتیں ہیں۔ جاگنا اور سونا دو حالتیں تو سب جانتے ہیں۔ سونے کی حالت میں بعض وقت خواب بھی آتے ہیں۔ جو کبھی تو خواب پریشان ہوتے ہیں اور کبھی سچ بھی ہوتے ہیں۔ ان دو حالتوں کے علاوہ ایک تیسری حالت جو اہل اللہ کو میسر آتی ہے۔ اسے حالت کشفی کہتے ہیں۔ اس میں انسان سوتا نہیں بلکہ اسے اور قسم کے حواس عطا کئے جاتے ہیں۔ گویا وہ بیداری میں ایک دوسرے عالم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ جس میں وہ بہت سی ایسی باتیں بھی دیکھ لیتا ہے جو ان ظاہر آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی معراج روحانی تھی تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ معمولی خوابوں کی طرح ایک خواب تھا۔ بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حالت کشفی تھی۔ یہ ایک امر واقعہ ہے جس پر تمام دنیا کے صلحاء کی گواہی موجود ہے۔ بعض لوگ جنہیں صفائی قلب میسر آتی ہے، ایسی حقیقتوں کو دیکھ لیتے ہیں جو دوسروں کو دکھائی نہیں دیتیں۔

محمد رسول اللہ کا بلند مقام

غرض محمد رسول اللہ کو یہ نظارہ دکھایا گیا کہ آپؐ نے عروج کیا اور ایسے بلند مقام پر پہنچ گئے کہ تمام انبیاء آپؐ کے پیچھے رہ گئے۔ اس میں دراصل آپؐ کو وہ بلند مقام دکھایا گیا جہاں آپ کو پہنچنا تھا۔ یہ مرتبہ کہاں تک چلتا ہے۔ اس انتہائی مقام تک، جہاں تک انسان پہنچ سکتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ معراج کشفی تھی یا جسمانی؟ قرآن نے اسے رویاء کہا ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ معراج اس وقت ہوئی کہ آپ سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ اس وقت آپؐ سوتے تھے لیکن آپؐ کا قلب نہیں سوتا تھا۔ ایک حدیث میں معراج کے بیان کے بعد یہ لفظ آتے ہیں۔ ثم استیقظ۔ پھر آپؐ جاگ اٹھے۔ ان تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کی معراج جسمانی نہ تھی بلکہ کشفی رنگ کی تھی۔ یہی

معراج کی حقیقت ہے۔اور اسی حقیقت کی طرف حضرت مرزا صاحب نے توجہ دلائی۔جب آپ نے یہ اعلان کیا کہ معراج ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھی،تو لوگوں نے بغیر سوچے سمجھے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ منکر معراج ہیں۔ حالانکہ پہلے بھی کئی ایسے بزرگ ہیں جن کا یہی مذہب تھا اس وقت تو بے شک لوگوں نے ہٹ دھرمی سے اس معاملہ میں مخالفت کی۔لیکن آج یہ حالت ہے کہ تمام روشن خیال علماء کہہ رہے ہیں کہ معراج عالم کشف میں تھی۔ ہمیشہ سے دنیا کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے جب کوئی بزرگ ایک حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہے تو فوراً اس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے۔سید عبدالقادر جیلانیؒ اہل اللہ میں سے تھے۔اس زمانہ کے لوگوں نے جب ان کی ایسی باتیں سنیں تو دوسو علماء نے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا۔خود نبی کریم صلعم کے زمانے میں بھی جب یہ امر پیش آیا تو کفار بگڑے۔اسی لئے تو قرآن نے فرمایا **وما جعلنا الرء یا التی اریٰنک الا فتنة للناس** (۱۷:۶۰)۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عجیب فیصلہ کن جواب دیا ہے۔جب آپؓ سے کسی نے کہا کہ آپؐ کے پیغمبر تو یہ بعید از عقل دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے آسمان اور جنت وغیرہ کی سیر کی ہے۔تو آپ نے جواب دیا کہ یہ کونسی عجیب اور محیر العقول بات ہے؟ انہوں نے ضرور ایسا کیا ہوگا میں تو اس سے بھی بعید از عقل بات کو مانتا ہوں کہ آپؐ پر صبح وشام وحی آتی ہے۔

معراج کا مقصد

معراج کا مقصد صرف یہ ہی نہیں ہے کہ اس کو محض ایک عجوبہ سمجھا جائے یا اس میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند مقام بتایا گیا ہے۔ بلکہ اس سے یہ سبق سکھایا گیا ہے کہ جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے بڑے بڑے اجر ہیں۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی عمل نے اس رتبہ تک پہنچایا۔اور جو لوگ محمد رسول اللہ صلعم کے رستے پر چلیں گے انہیں بھی اللہ تعالیٰ بلند مقام عطا کرے گا۔اس میں دکھایا ہے کہ کیوں اور کس طرح اللہ تعالیٰ انسان کو بلند مقام دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ اعمال کے مطابق ہی اجر دیتا ہے۔اگر غور کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی غمخواری محمد رسول اللہ صلعم کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔احادیث ایسے واقعات سے پر ہیں۔ حضرت خدیجہؓ کا جس قدر مال تھا وہ سب کا سب آپؐ کے ہاتھوں خدا کی راہ میں خرچ ہوا۔آپؐ کا دل خدا کی مخلوق کی ہمدردی ومحبت سے لبریز تھا۔کوئی شخص بلند مقام کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس کے اندر مخلوق خدا کی ہمدردی کا جذبہ نہ ہو۔الحمد اللہ رب العالمین میں بھی یہی اشارہ ہے کہ سب سے بڑھ کر قابل حمد وستائش وہی شخص ہے جو مخلوق کی ربوبیت کرتا ہے۔محمد رسول اللہ صلعم نہ صرف خود اس رنگ میں رنگین تھے بلکہ آپؐ نے اپنے متبعین کو بھی اسی رنگ میں رنگا۔آپؐ کے جانشین گو ایران، روم اور ہندوستان تک کے بادشاہ تھے لیکن درویشوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔اور انہیں مخلوق خدا کی ہمدردی اس قدر تھی کہ جب ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک غریب غیر مسلم کو بھیک مانگتے دیکھا تو حکم دیا کہ آئندہ کسی نادار اور معذور ذمی پر قطعاً کوئی جذیہ نہ لگایا جائے۔ بلک بیت المال سے انہیں وظیفے دیئے جائیں۔ اسی ہمدردی کا اثر تھا کہ اسلام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ دنیا میں پھیلا۔ آج ہم مسلمان کیوں ذلیل ہوگئے ہیں۔اسی لئے کہ ہم نے ان کاموں کو چھوڑ دیا جن کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلعم اور ان کے جانشینوں کو بلند درجات عطا ہوئے۔اگر ہم میں بھی یہی ہمدردی مخلوق کا جذبہ پیدا ہوجائے تو ہم بھی بلند مقام تک پہنچ سکتے ہیں۔(پیغام صلح 23 فروری 1927ء)

☆☆☆☆

حضرت مسیح موعودؑ کی بے لوث زندگی
اور عیسائیت کے مقابلہ میں فتح نمایاں

میاں بشارت احمد بقا صاحب (بی۔اے)

علمائے ربانی کی مخالفت

ہماری اسلام تاریخ بتلاتی ہے کہ علماء ظاہر نے ہمیشہ علمائے ربانی کی شدید مخالفت کی ہے اور آج جن بزرگانِ سلف کو ہم بڑی عزت و احترام سے یاد کرتے ہیں اور جن سے ہم امورِ دینیہ میں رہنمائی تلاش کرتے ہیں۔انہیں حیاتِ دنیوی میں مصائب و شدائد کی چکّی میں خوب پیسا گیا۔اور اُن پر کُفر و الحاد کے فتوے لگا کر دنیا میں خوب ذلیل ورُسوا کیا گیا۔چونکہ علماء ربانی کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں۔اس لئے ضروری تھا کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جاتا جو انبیاء کرام کے ساتھ ان کے منکرین اور مخالفین نے ہمیشہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔**یحسرۃ علی العباد مایاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون** ۔سوائے افسوس اور حسرت ہے لوگوں پر کہ ہمارا کوئی رسول ایسا نہیں جس کا استہزاء اور تمسخر ان لوگوں نے نہ کیا ہو۔

اس ارشاد باری تعالیٰ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ گویا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر سچے مامور من اللہ کی ضرور مخالفت ہو۔اس حقیقت پر تاریخ انبیاء و مصلحین شاہد ناطق ہے۔اس لئے اگر اُمّت محمدیہؐ کے مجدّدین و مصلحین کی علماء ظاہر نے مخالفت کی تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی شدید مخالفت آپ کے صدق پر دلیل ہے

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ اس زمانہ کے امام حضرت مرزا صاحب پر بھی صادق آتی ہے۔اور چونکہ آپ مثیل مسیح ابن مریم تھے۔اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی بھی مخالفت اسی شدت اور تندہی سے کی جاتی۔جس شدت اور تندہی سے حضرت مسیح ناصریؑ کی کی گئی۔

آج حضرت مسیح موعودؑ کو دنیا سے رحلت فرمائے 100 سال ہونے کو آئے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی مخالفت کا زور ابھی تک نہیں ٹوٹا۔آج بھی شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو کہ آپ کے خلاف کسی نہ کسی کونے میں سے زہر چکانی نہ ہوتی ہو۔مخالفت کے اس نہ تھمنے والے طوفان کو دیکھ کر ایک متلاشی حق کے لئے یہ سمجھ لینا یقیناً آسان ہو جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب فی الواقعہ مامور من اللہ اور مسیح موعودؑ تھے کیونکہ مخالفت کا یہ رنگ کبھی کسی جھوٹے مدعی کے لئے اختیار نہیں کیا گیا۔

مامورین کی بے لوث زندگی اور مخالفین کو چیلنج

ہم یہ جانتے ہیں کہ مامورین اپنے دعویٰ ماموریت سے قبل اپنی قوم اور ملک میں بلند کردار کے باعث معروف ہوتے ہیں۔اور جہاں ان کی اپنی زندگی ہر طرح بے داغ ہوتی ہے وہاں ان کے ہم عصر لوگ بھی ان کی شرافت ونجابت امانت و دیانت اور زہد و اتقاء کے معترف و مداح ہوتے ہیں۔وہ کسی طرح بھی

لوگوں میں مجوب الاحوال نہیں ہوتے۔ اس لئے جب اصلاح خلق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے جاتے ہیں اور قوم ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہوجاتی ہے تو وہ اپنی قوم کو ان الفاظ میں مخاطب کرتے ہیں۔ **فقد لبثت فیکم عمر امن قبله الا تعقلون**

اے لوگو غور تو کرو۔ کہ میں نے تمہارے درمیان قبل از دعوے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گذارا ہے۔ کیا تم نے کبھی مجھے جھوٹ بولتے سنا۔ یا مجھے کبھی تم نے کسی فعل مذموم کا مرتکب پایا۔ یا مجھے کسی کی امانت میں خیانت کرتے دیکھا۔ جب میں نے اپنی گذشتہ عمر میں کبھی اپنی دنیا کے لئے ایک بار بھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو پھر میں اب کیوں خدا پر جھوٹ بول سکتا ہوں۔ میری گذشتہ زندگی پر نظر ڈالو۔ اگر وہ ہر طرح تمہیں پاکیزہ نظر آتی ہے اور اگر تم نے میری زبان کو ہمیشہ جھوٹ سے پاک پایا ہے تو پھر مجھے مفتری ٹھہرانے پر تحمل سے کام لو۔ میرے دعوے پر صبر اور تحمل کے ساتھ غور کرو۔ خدا تعالیٰ سے انشراح صدر کے لئے استعانت طلب کرو۔ وہ تمہیں بالضرور روشنی عطا کرے گا جو دعوے کو سمجھنے اور مجھے پہچاننے کے لئے تمہاری ممد و معاون ہوگی۔

لوگوں کی جلد بازی اور زبردست طوفانِ مخالفت

لیکن افسوس آپ کی معروضات پر بہت تھوڑے لوگوں نے کان دھرا۔ اور کثرت نے آپ کو کافر اور مفتری قرار دینے میں بڑی جلد بازی دکھائی۔ پھر کیا تھا کہ یک مخالفت کا ایک طوفان چاروں اطراف سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ کل تک جو آپ کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے اور فخر اہل اسلام کے لقب سے نوازے جاتے تھے اور آپ کی خدماتِ دینیہ کے بے نظیر و بے مثال گردانتے تھے وہی مخالفین کی صفِ اوّل بنے اور ان لوگوں نے وہ قیامت بپا کی کہ الاماں والحفیظ

حضرت مرزا صاحبؒ کا دینوی نقصانِ عظیم اور آپ کا استغنا

کوئی بڑے سے بڑا اجری انسان بھی اس نقصان کی تاب نہیں لا سکتا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کے اندر ایسی روح پھونکی جس نے آپ کو اس بھیانک طوفان سے بے پروا کر دیا۔ آپ کی نگاہ میں اتنی زور دار مخالفت پر گاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی تھی بلکہ آپ نے اعلان کر دیا تھا کہ

جو خدا کا ہے اُسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

دنیاوی وجاہت اور وقار آپ سے چھن گیا۔ لوگوں کی پہنائی ہوئی دستارِ فضیلت آپ نے خود اتار پھینکی۔ اپنے بیگانے ہوگئے اور نہایت بے سروسامانی کی حالت میں آپ دنیا میں یکہ و تنہا رہ گئے۔ دعویٰ مسیح موعود سے جو مادی اور دنیاوی نقصان آپ کو پہنچا وہ ایک دنیا دار شخص کی نگاہ میں نقصانِ عظیم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مخالف علماء کو یقین تھا کہ اُن کی مخالفت کی تاب نہ لاکر ضرور مرزا صاحب ایک نہ ایک دن ان کے قدموں میں آ گریں گے۔ لیکن یہ دیکھ کر اُن کی حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ جسے وہ نقصانِ عظیم سمجھتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب اپنے اس نقصان پر مسکراتے ہوئے گزر گئے۔ گویا اپنا کچھ گیا ہی نہیں اور مخالفین نے جو آگ آپ کو بھسم کرنے کے لئے جلائی تھی۔ اس میں وہ بے خوف کود گئے۔ اس کو کہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

اور اس طرح آپ اپنے دعویٰ میں صادق نکلے کیونکہ نہ کسی جھوٹے مدعی کی اتنی شدید مخالفت ہوا کرتی ہے اور نہ ہی جھوٹا مدعی اتنی شدید مخالفت کی تاب ہی لا سکتا ہے۔

مخالفین کو انتباہ

آپ نے لوگوں کو متنبہ کیا کہ میں امام الزمان ہوں اور خدا میری تائید میں ہے۔ اور وہ میرے لئے ایک تیز تلوار کی طرح کھڑا ہے۔۔۔۔۔۔اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل پر کھڑا ہوگا وہ ذلیل اور شرمندہ کیا جائے گا۔'' (ضرورۃ الامام)

اور مخالفین کو خبردار کیا کہ

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر

از باغبان تبرس کہ من شاخ مثمرم

اے لوگو کان کھول کر سن لو۔ میں باغِ محمدیؐ کی ایک شاخ ثمردار ہوں۔ جو مجھے کاٹنے کے لئے دوڑے گا۔ وہ اپنے کلہاڑے سے آپ ہی کٹ مرے گا۔ میرا رکھوالا میرا خدا اور رسولؐ ہے۔

حضرت مرزا صاحب کا فرض

اس مخالفت کی گھٹا ٹوپ آندھی میں آپ نے اپنے مشن کو بڑی مستعدی اور دل جمعی سے جاری رکھا۔ آپ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور جملہ ادیان عالم پر اُسے غالب کرنے کا کٹھن فرض سونپا گیا تھا۔ مسیح موعودؑ ہونے کی حیثیت سے اگر آپ کی مخاطب ایک طرف عیسائی اقوام تھیں۔ تو دوسری طرف مہدی معہود ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسلمانوں کے لئے بھی حکم وعدل کے بلند عہدہ پر سرفراز فرمایا تھا۔ تا کہ مسلمانوں کی راہبری بھی فرمائیں۔ اور ان کے بین الفرقی تنازعات ومقدمات کے بھی فیصلے فرما کر ان کو ایک پلیٹ فارم پر ایک ہی جھنڈے تلے لا کھڑا کریں اور دشمنوں کے مقابلہ میں انہیں سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط بنائیں۔

عیسائیوں کی مسلمانوں پر حجت

چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے ان عقائد کی طرف خاص توجہ دی جو ضعفِ اسلام کا باعث بن رہے تھے اور دوسری طرف دینِ عیسوی کی تقویت اور برتری کا موجب ثابت ہو رہے تھے۔ کیونکہ جب پادریوں نے دین حق پر یلغار کی اور دین عیسوی کی اشاعت شروع کی تو انہوں نے مسلمانوں کے مندرجہ ذیل عقائد کو بطور حجت پیش کیا۔

اوّل: یہ کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔

دوم: یہ کہ جملہ انبیاء کرام میں صرف حضرت عیسیٰؑ ہی مسِ شیطان سے پاک تھے کیونکہ وہ ایک کنواری عفیفہ کے پیٹ سے انسانی نطفہ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔

سوم: یہ کہ حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے۔

چہارم: یہ کہ آپ بحکم خدا مردے زندہ کرتے تھے۔ مادرزاد اندھوں کو بینائی بخشتے تھے۔ کوڑھیوں برص کے مریضوں اور اپاہجوں کو شفا بخشتے تھے۔

پنجم: آپ علم غیب جانتے تھے۔

ششم: یہ کہ آپ پر یہودیوں کی شدید مخالفت کی افتاد آن پڑی اور انہوں نے آپ کو پکڑ کر صلیب پر چڑھانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بجسدِ عنصری آسمان پر اُٹھا لیا۔ جہاں وہ دو ہزار برس سے الان کما کان زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں وہ آسمان سے دوبارہ نازل ہوں گے اور غلبہ دین حق اور مسلمانوں کی راستگاری کا موجب ہوں گے۔

سرسری نظر سے پتہ چل جاتا ہے کہ ان عقائد خیالات سے دین عیسوی کی فتح اور کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں بھی عیسائی مبلغین اور منادا نہیں خیالات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور آج بھی ان کا انہی مسلمانوں پر جادو چل رہا ہے جو ان عقائد پر جمے بیٹھے ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کا صحیح مقام اور ان کی وفات

حضرت مرزا صاحب کے چونکہ اصل حریف پادری لوگ تھے۔ جنہوں نے فتنہ ارتداد جگا رکھا تھا۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کے ان عقائد کی اللہ تعالیٰ سے علم پا کر اصلاح کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صحیح مقام انبیاء کرام کے درمیان متعین کیا۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح اس دنیا میں عمر طبعی گزار کر فوت ہو چکے ہیں۔ اور قرآن مجید کی تیس آیات سے ان کی وفات کو ثابت کر دیا۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات کی حقیقت اور قرآن کا احسان

جب مسیح ابن مریم کی وفات ثابت ہو چکی تو ان کے نزول ثانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جناب مسیح نے روحانی مردوں کو زندہ کیا تھا اور روحانی اندھوں،

کوڑھیوں اور اپاہجوں کو تندرست کیا تھا کیوں کہ انبیاء بھیجے ہی اس غرض کے لئے جاتے ہیں۔انہیں بنی آدم کی جسمانی بیماریوں کے لئے نہیں بلکہ روحانی بیماریوں کے علاج کے لئے مبعوث کیا جاتا ہے لہذا ان باتوں میں انہیں دوسرے انبیاء پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔البتہ قرآن کا عیسائی دنیا پر بڑا احسان ہے کہ اس نے ان کے۔۔۔خدا کو ان الزامات سے بری قرار دیا ہے جو یہودی علماء اور خود انجیل نویسوں نے ان پر نادانستہ طور پر لگائے تھے۔

مسیحی عمارت کے ستون گر گئے

چونکہ دین عیسوی کی رفیع الشان عمارت مسیح کے کفارہ اور ان کی ابدی حیات پر کھڑی کی گئی تھی۔اس لئے جب حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوگئی۔تو نہ کفارہ رہا اور نہ ہی مسیح کی خدائی قائم رہی اور ان دوستونوں کے ٹوٹ پھوٹ جانے سے عیسائیت کی ساری عمارت دھڑام سے نیچے آن گری۔اور دین عیسوی بالکل کھوکھلا ہو کے رہ گیا۔

یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے کہ ہمارے علماء نے ضعفِ دین حق تو گوارا کرلیا۔مگر اپنے غلط عقائد وخیالات کو ترک کرنا برداشت نہ کیا۔ان مہربان عالموں کی ہٹ دھرمی کے باعث حضرت مرزا صاحب کو چوکھیا جنگ کرنی پڑی۔پادریوں نے جب آپ کا سامنا کیا تو منہ کی کھائی۔ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔الٹا لینے کے دینے پڑ گئے۔آپ کی ضرب ہائے کلیمی سے ایسے سراسیمہ ہوئے کہ ہوش وحواس ہی گنوا بیٹھے ان کا کہاں یہ عزم کہ چند برسوں کے اندر اندر ملک ہند میں اسلام کا نام لیوا تک باقی نہ چھوڑیں گے اور مسجدیں ویران کر کے گرجے آباد کریں گے۔اور کہاں یہ حالت کہ انہیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

حضرت مرزا صاحب کی وفات پر درد دِل رکھنے والے مسلمانوں کا خراج تحسین

حضرت مرزا صاحب کا یہ وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر لانے سے زمانہ آج بھی قاصر ہے۔اسی وجہ سے اسلام کے لئے درد دل اور محبت رکھنے والے مسلمانوں نے آپ کی وفات پر کچھ اس رنگ میں خراج تحسین پیش کیا:

''مرزا صاحب کی رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا۔۔۔۔۔

ان کی یہ خصوصیّت کہ وہ دین حق کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے تا کہ وہ مہتمم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پائمال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے۔۔۔۔۔مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان کے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے''

جس شاندار طریقہ سے آپ نے دشمنانِ دین حق کے بالقابل دین حق کی مدافعت کی۔اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑا دیئے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہوکر اُڑنے لگا۔انہوں نے (حضرت مرزا صاحب نے) مدافعت کا پہلو بدل کے مغلوب کو غالب بنا کے دکھایا ہے۔۔۔۔۔غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھے گی۔کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہوکر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے۔اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔قائم رہے گا۔''

یہ مولوی عبداللہ العمادی صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر کی رائے تھی جس

کا ایک ایک لفظ حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

کاش ہمارے علماء کرام اور عوام اس شہادت کو دیکھ کر ہی حضرت مرزا صاحب کی جلیل القدر خدمات کا کچھ پاس کریں اور آپ کے خلاف شوخ چشمی، گستاخی اور زبان درازی کر کے اپنے نامۂ اعمال کو داغدار نہ بنائیں۔

حضرت مرزا صاحب کی فتح مبین اور کامرانی

آج بھی اگر عیسائیت کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو صرف اور صرف حضرت مرزا صاحب کے پیدا کردہ علم الکلام اور لٹریچر سے ورنہ جو علم مسلمانوں کے پاس ہے۔ وہ پادریوں سے معمولی ٹکر لینے کی بھی سکت نہیں لا سکتے۔ بلکہ انہیں خفیہ سرکار کے ذریعہ ہدایت کی جاتی ہے کہ مذہب کے بارے میں احمدیوں سے قطعاً گفتگو نہ کی جائے۔ اس کو کہتے ہیں فتح مبین اور کامرانی۔ جو سوائے ایک سچے مامور من اللہ اور اس کی جماعت کے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔

حضرت مرزا صاحب کو اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر اس قدر یقین تھا کہ آپ نے اعلان فرمایا تھا:

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود

ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

مخالفین اسلام پر آپ کی نمایاں فتح اور کامیابی آپ کی ایک ایسی کرامت تھی جس کی آب و تاب تا ایں دم ماند نہیں پڑی۔ اور جن کو عوام آپ کے مقابلے میں اولیاء اللہ اور قطب گردانتے اور مانتے ہیں ان کے حصے میں یہ سعادت نہ آئی۔ خدا کے مامور نے کیا سچ کہا

غرض مقام ولایت نشانہا دارد

نہ ہر کہ دلق بپوشد ز اولیا باشد

کلاہ فتح و ظفر ہیچ سرنمے یابد

مگر سریکہ بے حفظ دیں فدا باشد

(پیغام صلح 29 مئی 1968ء)

ارشادات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اُن دوستوں کے لئے جو سلسلہ بیعت میں داخل ہیں

''اے میرے دوستو جو میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی ہو جائے آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر دے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے۔ اس سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے ہر طرف سے کوشش ہو گی کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننی پڑیں گی اور ہر ایک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دُکھ دے گا وہ خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتحمند اور غالب ہو جانے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ کیونکہ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا تعالیٰ کی لعنت ساتھ نہ ہو کچھ بھی چیز نہیں اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو کوئی پناہ نہیں دے سکتا ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور وہ ہمارے ساتھ ہو اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو کوشش کرو تا متقی بن جاؤ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیز گاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔'' (ازالہ اوہام 827-825)

☆☆☆☆

انگریزی سے ترجمہ: جاوید بشیر ایم۔اے

مذہب کی ترقی کے لئے تحریک احمدیہ کی جدوجہد

یورپ میں تبلیغ اسلام 1900ء تا1965ء

از ڈاکٹر گرڈین یونکر، برلین

(اس کتاب کولائیڈن، ہالینڈ کی بین الاقوامی شہرت کے مالک ادارہ ’’برل‘‘ نے شائع کی ہے۔علمی کتب کوشائع کرنے والا یہ ادارہ 1683ء میں قائم ہوااور اب اس کی شاخیں تمام دنیا میں ہیں۔ذیل میں ہم اس کتاب کے بارے میں اس ادارہ کے تعارفی نوٹ کا ترجمہ درج کرر ہے ہیں:

’’اس وقت کیا صورتحال ہوتی ہے جب مذہب کی ترقی کا خیال جدیدیت کی تشکیل کا محرک ہو۔’’مذہب کی ترقی کے لئے تحریک احمدیہ کی جدوجہد اور یورپ میں تبلیغ اسلام 1900-1965‘‘ میں ڈاکٹر گرڈین یونکر تحریک احمدیہ کی یورپ میں اصلاحی تحریک کی تفصیل بیان کرتی ہیں جو دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں شروع ہوئی۔آجکل اسلامی دنیا میں ان کوتشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔احمدی اسلام کے بارے روشن خیال اور معقول طرز فکر رکھتے دکھائی دیتے ہیں جولوگوں کیلئے بڑی دلچسپی کا باعث ہے۔

براعظم یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں تحریک احمدیہ کی روشن خیالی یورپ کے لوگوں کواپنی طرف کھینچا۔ان میں یہودی، تھیوصوفی الخیال لوگ، عیسائی، فنون لطیفہ کے ماہر، آزادخیال اور نازی سب ہی لوگ تھے۔ان میں ہرایک اپنے طور پر جدیدیت کی طرف کوشاں نظر آتا تھااوران کو یقین تھا کہ اسلام نے ہی ان کے مقاصد کوحاصل کرنے میں مدددی ہے۔اس کتاب میں بے شمار ذرائع سے استفادہ کیا گیا ہے۔اوراس میں ایک سے زیادہ مباحث کے مختلف موضوعات کو کھول کر بیان کیا گیا ہے، جو مبلغین اوران سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔‘‘(بشکریہ: برل آن لائن، بکس اینڈ جنرلزم)

حرف تشکر

ڈاکٹر گرڈین یونکر نے اپنی کتاب ’’مذہب کی ترقی کے لئے تحریک احمدیہ کی جدوجہد‘‘ میں ’’حرف تشکر‘‘ کے آخر میں جس کی تاریخ اپریل2015ء ہے۔ناصر احمد صاحب کی اس کتاب کے بارے میں بھر پور تعاون کا بطور خاص ذکر کیا ہے:

’’آخر میں میں تحریک احمدیہ کے دو بزرگ اشخاص جو اس کتاب کے بارے میں گفتگو میں شریک رہے اور جنہوں نے تحریک کے بارے میں خاص کتب اور رسالوں کے پرانے شماروں کی تلاش میں میری مدد کی ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔خاص طور پر ناصر احمد صاحب کا جو (لاہور) احمدیہ جماعت کے بزرگ اور (تحریک احمدیہ لاہور) کے بارے میں پرانی یادداشتیں حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں انہوں نے کمال مہربانی سے یہ مواد اور یادداشتیں مجھے عنایت فرمائیں۔اوراس سلسلہ میں مجھ پر اس طرح اعتماد کیا کہ اکثر میری زبان شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہو جاتی۔ان کی مدد سے مجھے وہ بنیادی تخیل فراہم ہوا کہ میں (تحریک) کے بارے میں پس منظر سمجھ سکی۔‘‘

دیباچہ سے اقتباسات

’’تحریک احمدیہ کے ’’مسیح موعود‘‘ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی نہایت اہم سوانحعمری ’’مجدد اعظم‘‘ کے سرورق پر دنیا کے نقشہ پر ابھرتے ہوئے مصور کی بنائی ہوئی روشنی کے ایک مینار کو دکھایا گیا ہے۔اس منارہ کے نیچے ’’مجدد‘‘

کے مرکزی پیغام کہ مسیح واپس آ گئے ہیں درج کیا گیا ہے۔ مینار پر ان کی 88 تصانیف کے نام لکھے گئے ہیں اور مینار کے اوپر سرے پر لیمپ کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔ جس میں سے زبردست روشنی نکل رہی ہے۔ اس لیمپ کی شعاعیں دنیا کے نقشہ پر ان جگہوں کو روشن کر رہی ہیں جن کا تصور اس تحریک کے مبلغین کے ذہنوں میں تھا۔ یہ ان ممالک کا نقشہ ہے جو نوآبادیاتی ملکوں میں تبلیغ اسلام کے پروگرام میں شامل ہیں۔ مینارہ اور اس پر درج تفصیلات اس کہانی کا ایک طرح سے نقطہ آغاز ہیں جس کا بیان اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔'' (ص۲۲)

مشنری کام ایک اسلوب بیان ہے جس کا مطلب پورے یقین کے ساتھ دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب کی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہے جو اس سے ناواقف ہوں تاکہ وہ اپنے عقاید کو اس کے متعلق تبدیل کر سکیں۔ ایسے تبلیغی مراکز کا قیام عیسائی تصور کی پیداوار ہے جس کی کوئی روایت اسلام میں نہیں ملتی۔ چنانچہ 1900ء کے قریب سے میرے مطالعہ کا آغاز ہوتا ہے جب عیسائی مبلغین نوآبادیاتی دنیا میں جگہ جگہ کام کر رہے تھے تاکہ عیسائیت کیلئے ان علاقوں کو فتح کر لیں۔

''اس کے بالمقابل حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا تصور یہ تھا کہ نوآبادیاتی ممالک میں آباد لوگ عیسائی مبلغین کو خود ان کے میدان میں شکست دیں یعنی ایک رنگ میں یہ عیسائی کوشش کے جواب میں تھا۔ انہوں نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ مذہب میں ترقی پسندی کو قبول کریں اور عیسائی طرز تبلیغ کو اپنائیں اور اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے دنیا میں پھیل جائیں۔ مینارہ اس تصور کا علامتی اظہار ہے۔ آخری زمانے کے متعلق اسلامی عقائد کے پیش نظر مینارۃ المسیح وہ روحانی مینار ہے جس کے متعلق ان کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں اس مینارے پر دنیا میں نازل ہوں گے۔'' (ص۲۳)

''ایشیاء، افریقہ اور مشرق وسطیٰ میں احمدیہ تبلیغی سرگرمیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے جس کے بارے میں ابھی لکھنا باقی ہے، ''یورپ میں اسلام کی تبلیغ'' میں خصوصی توجہ یورپ پر ہوگی جس میں برطانیہ اور براعظم یورپ شامل ہیں۔ کیونکہ احمدیوں کی تبلیغ اسلام کی کوششوں کو زیادہ تر کامیابی برلین میں ہوئی اس لئے اس کتاب میں کئی ابواب کو، مثال کے طور پر، جرمنی میں تبلیغ اسلام تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس دوران میں میں نے اصل تصور اور زمینی حقائق کے فرق کو بیان کیا ہے جو اس بلند دعویٰ سے کم شاندار تھا جس کا دعویٰ یورپ میں اسلام کے مبلغین نے کام کو شروع کرتے وقت کیا تھا۔'' (ص۲۴)

کتاب ''یورپ میں تبلیغ اسلام'' کے باب اول میں بانی تحریک احمدیہ کی اس وصیت سے بحث کا آغاز ہوتا ہے جو اُنہوں نے اپنے ماننے والوں کے لئے لکھی ہے۔ باب ۸ میں جنگ عظیم دوم کے بعد تبلیغی مراکز کی تنظیم نو کے ذکر پر اس کا اختتام ہوتا ہے جب مبلغین کو نوآبادیاتی حقائق کا سامنا کرنا پڑا۔ درمیانی ابواب میں مبلغین کی یورپ میں جانے کی تیاری کا ذکر ہے (باب۲)۔ اور باب ۳ میں یورپ میں پیش آمدہ حقائق کا بیان ہے۔ باب۳ میں یورپ کے حقائق کی تفصیل ہے۔ باب۴، ۵ میں مختلف نومسلم اور ''اسلام دوست'' احباب کا تفصیلی تعارف ہے۔ باب ۶ میں برلین مسجد کی لائبریری میں مذہب، سیاست اور امن کے قیام کے بارے کتب اور رسائل کی تفصیل ہے اور ان کے بارے میں مبلغین کے تاثرات کا تجزیہ دیا گیا ہے۔ اور آخر میں باب ۷ میں نازی حکومت کے بارے میں ان کے خیالات اور ان سے تعلقات کے بارے میں بحث ہے۔ درحقیقت دو عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں ہندوستانی مسلمانوں کا نازی حکومت کے بارے میں رائے اور ان کے بے شمار مسائل کے سلسلہ میں یورپ سے روابط اور اس کی عملی شمولیت پر بحث ہے اور پھر یہ کتاب اس بات کا بھی جائزہ پیش کرتی ہے کہ احمدی مبلغین نے کن باتوں پر خاص توجہ دی، اور جب وہ یورپ آئے تو اُن کو کن باتوں کا سامنا پڑا اور ان کو کس قسم کے لوگوں سے تبادلہ خیالات کرنے کا موقع ملا اور پھر اس کے نتیجہ میں انہوں نے کونسے طریق کار اپنائے۔'' (ص۲۵)

''اس مطالعہ میں یورپ میں احمدیہ تبلیغی مراکز کے پہلے 60 سالوں کو

شامل کیا گیا ہے۔اس کہانی کی ابتداء 1901ء سے ہوتی ہے۔یہی سال ہے جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے احمدیہ تنظیم کی بنیاد قادیان میں ''صدر انجمن احمدیہ'' کے قیام سے رکھی اور اس کا اختتام 1965ء میں ہوتا ہے جب ایک غیر احمدی مقامی تنظیم نے ووکنگ مسجد پر قبضہ کر لیا۔یہ جگہ جنگ عظیم اول کے بعد یورپ میں ترقی پسند اسلام کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔

اگرچہ اس کتاب میں میں نے احمدیہ تحریک کی دونوں جماعتوں کے طریق کار اور قوت کارکردگی کا احاطہ کیا ہے لیکن صفحات کے لحاظ سے میں نے دونوں کو برابر کی جگہ نہیں دی۔اس کی وجہ بالکل سادہ ہے۔جب خواجہ کمال الدین انگلستان تشریف لائے اور 1912ء میں انہوں نے ووکنگ مسجد (انگلستان) کو حاصل کر لیا۔تو انہوں نے لاہور تحریک کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم کر دیا۔

اگرچہ ان صفحات میں ہم قادیان سے ایک نوجوان کا ذکر بھی کریں گے جو جنگ عظیم اول کے دوران انگلستان میں زیر تعلیم رہا لیکن احمدیہ قادیان کا اسی قسم کے مشن کے قیام کو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے 1914ء میں لندن آنے تک التوا میں رکھا گیا (ملاحظہ کریں باب ۲)۔ایسے ہی کچھ حالات کا اعادہ دو عالمی جنگوں کے درمیان کے عرصہ میں برلین مشن کے قیام کے بارے میں بھی ہوا۔

اس وقت کے دنیا میں بدلتے ہوئے حالات میں میں دونوں جماعتوں کی ''یورپ میں تبلیغ'' کی کارکردگی کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کے ذکر میں قاری کو ایک ایسے سفر پر لے چلوں گی جو ہمیں شمالی ہندوستان سے لندن، لندن سے برلین، برلین سے وسطی اور جنوب مشرقی یورپ لے جائیگا اور واپس نوزائیدہ پاکستان لے آئیگا۔مبلغین کو اس سفر کے دوران جو آزمائشیں اور مشکلات پیش آئیں وہ اس لمبے سفر کے تانے بانے میں سرخ تاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں۔'' (ص ۲۶)

''اگرچہ لاہور کے روشن خیال اور ذہین لوگوں نے برلین میں مسجد تعمیر کر لی اور براعظیم یورپ میں تبلیغی سلسلہ کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔لیکن قادیانی مبلغین کی ایسی ہی ایک کوشش کامیاب نہ ہوسکی (باب ۳)۔کتاب کے کئی ابواب میں دونوں جماعتوں کی تنظیموں کے بارے میں گاہے بگاہے ذکر ہوتا رہے گا۔لیکن کتاب کا زیادہ تر حصہ دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ اور پھر بعد میں لاہور جماعت اور اس کی کامیابیاں کتاب کا مرکزی موضوع رہا ہے۔

مذہب کی ترقی اور دیگر مذاہب سے مقابلہ

احمدی مبلغین نے اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے ہوئے اکثر ''جدید'' اور جدیدیت'' کی اصطلاحات استعمال کیں تاکہ اپنے اس یقین کا اظہار کر سکیں کہ وہ دنیا میں تبدیلی لا سکتے ہیں اور انسانوں کی اصلاح کر سکتے ہیں اور یہی ان کے حامی لوگوں کا ایمان بھی تھا۔ان کا یہ خیال تھا کہ مختلف مذاہب کے لوگوں کے مابین بحث وتمحیص، جن کو مذہب میں ارتقاپذیری کے عمل پر یقین تھا یعنی یہ کہ مذہب بدلتے ہوئے حالات میں بھی اپنے اندر ارتقا کی صلاحیت رکھتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ یورپ میں تبلیغ کے لئے مذہب کا یہ نقطہ نگاہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں لوگوں کے ذہنوں پر چھایا ہوا تھا۔اگرچہ یہ لفظ ہر زبان پر تھا لیکن ترقی پسندی کے نظریے کی کوئی ایک تعریف نہ تھی۔ بلکہ یہ اصطلاح ایک بالکل سادہ کاغذ کی طرح تھی جو دنیا کے کسی حصّہ کے تصورات یا عملی چھاپ سے آزاد تھی۔

کرسٹوفر بیلی کا کہنا ہے کہ یہ خیال کہ آپ روشن خیال ہیں بس اتنا ہی آپ کو جدیدیت پسند یا ماڈرن بنا دیتا ہے۔یہ تعریف کچھ لوگوں کے نزدیک تسلی بخش نہ تھی لیکن اس کی تہہ میں مبلغین کی روشن خیالی یا جدیدیت ضرور تحریک کا کام کرتی ہے گو اس کی کوئی معین تعریف نہ بھی ہو۔ان کے نزدیک ترقی پذیر دنیا میں جدید خیالی ہر ملک میں رہنے والے اپنی سمجھ کے مطابق اپناتے ہیں۔

اسی طرح ''مذہب کی ترقی'' کی اصطلاح موجودہ رواں دیگر روشوں کی

طرح اپنائی جارہی ہے۔اگرچہ اس روش میں اس اصطلاح کی پہچان ان رویوں اور اظہار خیال کا حصہ ہو یا نہ ہو۔ بہر حال مبلغین اور نومسلمین نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق جدید مذہب کی جو بھی شکل تھی یا ہوسکتی ہے اس کی تعریف متعین کی۔ اس کتاب کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ جدیدیت کی اس روش کو بیان کیا جائے۔ مبلغین ''جدیدیت'' اور ''ترقی'' کے الفاظ اپنی تقاریر اور تحریروں میں استعمال کرتے تھے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ ان الفاظ سے ان کی کیا مراد تھی؟ ان کے ذہنوں میں مذہب کی وہ کیا صورت تھی جو ان کے مذہب سے متعلق تصور سے مطابقت رکھتی تھی۔اور پھر اس تصور کا کیا بنا جب یورپی خیالات سے باہم ایک دوسرے نے اثر قبول کیا۔

''یورپ میں تبلیغ اسلام'' میں اس امر پر بحث ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے نصف میں احمدیہ مشن کے طریق کار میں مذہب میں ترقی پسندی کس حد تک کارفرما تھی۔اس سلسلہ میں اس کا مقصد تحریک احمدیت کے اس مرکزی نظریہ کا بھی پتہ لگانا ہے جو اس نے مغربی تہذیب کے لوگوں کو متمدن بنانے کے بالمقابل ترویج دینے کی کوشش کی۔اس تحریک کی ''جدیدیت'' اور ''مذہب کی ترقی'' کی اصطلاحات کے مسلسل اور مختلف طریق پر استعمال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو یقین تھا کہ مذہب کی مشترک نظریات کو لے کر وہ دنیا میں تبدیلی لا سکتے ہیں یا تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

نومسلمین اور ''اسلام دوستوں'' نے جدیدیت کے اس نظریہ کی حمایت میں اپنے طور پر اس کی تشریح کی جو بیسویں صدی کے پہلے نصف میں موجود تھی یا جس کا تصور موجود تھا۔اور یہی وہ نقطہ امتثال تھا جس نے احمدیہ مشن کو یورپ میں کام کرنے کی بنیاد کو ممکن بنایا۔

احمدی مبلغین کا دعویٰ تھا کہ وقت آ گیا ہے کہ ''ایک مذہب'' کی بنیاد استوار کی جائے اور اس امر کا بھی اقرار کیا جائے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے (باب ۳)۔احمدی مبلغین اسی مقصد کو لے کر لاہور سے نکلے تا کہ ان طریقوں کو تلاش کریں جن کے ذریعہ مذہبی تبدیلی لانے کے لئے علمی بحث و تمحیص کو اپنایا جائے۔ یورپ میں علمی روایات کی تلاش میں وہ اور ان کے ہمنوا یورپ کی تاریخ میں مذہب کی ترقی کے لئے جو بھی روایات ان کو نظر آئیں انہوں نے اسلام کے مستقبل کی تشکیل کیلئے ان کو بروئے کار لانے کی کوشش کی۔

گو اس کی مثال نہیں ملتی۔لیکن اس زمانے میں صرف یہی ایک مذہبی کوشش نہ تھی۔ باب ۳ میں قاری کو برلین میں دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں یورپ میں جدیدیت کی طرف پیشقدمی کی بے شمار بھرپور مثالیں ملیں گی۔ جہاں ان میں انقلاب سے لے کر امن پسندی، تشدد سے لے کر عدم تشدد اور سیکولرزم سے اصلاح کی تحریکیں شامل ہیں۔

براعظم یورپ میں تحریک احمدیت کو پہنچنے کا جو موقع فراہم ہوا اس سے اس کتاب کیلئے فیصلہ کن رہنمائی حاصل ہوئی۔ یورپ میں جو لوگ ان مبلغین کی زیادہ توجہ کا مرکز رہے ان کا تعلق شہروں کے پڑھے لکھے اور فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ یہ وہ طبقہ تھا جو اس صدی کے شروع میں جب یورپ جدیدیت کی گرفت میں تھا نئے تجربات میں مصروف تھا۔ یورپ میں نومسلمین نے مبلغین کیلئے یورپی جدیدیت سے متعارف ہونے کا ایک بہترین موقع فراہم کیا۔ان نومسلمین کے نزدیک حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں نے خیال کیا کہ انہیں اس میں مذہبی نظریات اور مشرقی تصورات کا امتزاج مل جائیگا جس کی بدولت وہ جنگ کی تکلیف دہ تجربات سے نجات حاصل کر کے اپنی انفرادی زندگیوں میں زیادہ نکھار پیدا کرسکیں گے۔'' (باب ۴)

یہودی زاویہ نگاہ

''یہودی نومسلم اور نیشنل سوشلزم (قومی اجتماعیت) کے مابین بڑھتی ہوئی کشیدگی نے تحریک احمدیت کو بڑے پیمانے پر پہنچنے کا ایک اور فیصلہ کن موقع فراہم کیا۔ باب ۵ میں جرمنی اور مشرقی یورپ میں یہودی حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی زندگی کے حالات جو جرمن ذرائع ابلاغ سے حاصل ہوئے ہیں

ان سے یہودیوں کی آزادی کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ یہودی نومسلم بشمول حکومت مخالف انقلابی، آزادخیال اور قدآمد پرست قوم پرست لوگوں کے نزدیک اسلام ہی یہودی مذہبی روایات کا تسلسل ہے اور انہوں نے اس کے دلائل سے لبریز اور جدید ہونے کی بے حد تعریف کی۔ مبلغین کے جوابات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تعلیم یافتہ ہونے نے ان کے لئے یہ راستہ ہموار کردیا (باب ۱)۔ باب ۷ میں ان حالات کو بیان کیا گیا ہے جب نازی حکومت قائم ہوئی اور ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک سابق یہودی (ڈاکٹر حمید مارکوس) نے 1942ء تک برلین مسجد سے متعلقہ مسلم کمیونٹی کی سربراہی کی۔ ان کی یہ کوشش تھی کہ وہ یورپ کے بہترین خیالات اور مسلمانوں کی اصلاح کے اعلیٰ مقاصد دونوں کو ملا ئیں۔ اس میں ایک بڑی واضح مثال ابھر کر سامنے آتی ہے کہ جس کے ذریعہ جنگ اور انسانیت کی تباہی کے سلسلہ میں عالمی سطح پر افہام وتفہیم کی فضاء پیدا کی جاسکتی ہے۔

تبلیغی مقابلہ اور ظلم وستم

''آجکل احمدیوں کو مسلمان دنیا میں تشدد اور زیادتی کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ میں شروع کی ان مشکلات کی وجوہات کا پتہ لگانا چاہتی ہوں جن میں احمدی مبلغین نے برلین میں کام شروع کیا۔ یعنی مشن کے قیام کی راہ میں مسابقت کا سامنا، سیاسی اختلافات اور یورپی لوگوں کا مشن کے نکتہ نگاہ کے بارے میں حمایت حاصل کرنا۔ جیسا کہ باب ۸ میں بیان کیا گیا ہے کہ تحریک احمدیہ کی جماعتی رنگ میں تشدد اور زیادتی نوآبادیاتی تسلط کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوا جب پاکستان وجود میں آگیا اور یہ مملکت ایک حقیقت بن کر ابھری جس میں مذہبی اکثریت اور اقلیت کو ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا پڑا۔ دو عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف طبقوں میں تعصب، ایک دوسرے کے خیالات سننے اور برداشت کرنے میں مشکلات، امن کے دعوے کرنے والے عیسائی مبلغین کے درمیان مسابقت، ماسکو نواز انقلابی، مسلمان سفارتکار اور برطانوی نواز احمدی مبلغین اور جرمن نواز یہ سب ایک دوسرے کے مدمقابل نظر آتے ہیں۔ پھر بھی ہم باب ۳ اور ۸ میں دیکھتے ہیں کہ ایسے مواقع بھی آئے جب احمدی اور دیگر مسلمان ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔''

نوآبادیاتی زمانہ کے بعد تبلیغ کے حالات

''نوآبادیاتی تسلط اور سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد بلکہ خاص طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد کا عرصہ ایک اہم حوالہ بنتا ہے جس میں احمدی مبلغین نے اپنے کام کو دوبارہ سے شروع کرنے کی کوشش کی۔ باب ۸ میں مسلمانوں کی مملکت پاکستان سے قاری کو متعارف کروایا گیا ہے جہاں احمدیوں کو ایک مذہبی اقلیت قرار دیا گیا اور آخرکار اس کے نتیجہ میں ان کو اسلام سے خارج کردیا گیا۔ (ص ۳۲)

یورپ میں مسلمانوں کی تاریخ

دونوں عالمی جنگوں کے درمیان اور بعد کے عرصہ میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور مسابقت کے پس منظر میں ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا براہ راست تعلق آجکل یورپ میں مسلمانوں کی آمد کو قبول کرنے سے ہے۔ براعظم یورپ وہ جگہ تھی جہاں ہندوستانی، جرمن، مسلمان، یہودی، عرب اور یورپین آپس میں دوستانہ ماحول میں ملتے اور میل جول رکھتے اور مذہب کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے تھے۔ ان حالات میں لاہور احمدیہ تحریک اپنا کام شروع کرسکی تاکہ مختلف مذاہب میں مشترک نظریات اور روایات تلاش کرسکیں۔ یعنی وہ خیالات اور جذبات جن کا جب تجزیہ کیا گیا تو ان میں اصلاح کے پہلو نظر آئے اور اس طرح ایک نئی فکر نے جنم لیا جس میں عالمی سطح پر برابری اور افہام وتفہیم کے تصور کی اُمید پیدا ہوئی۔ امن کے مشترک احساس نے اپنے اپنے رنگ میں عالمی سطح پر ذہنی اعتماد اور عالمی معاشرہ کی سوچ کو تقویت دی اور

اس بات کی نشاندہی ہوئی کہ انسان ہی انفرادی طور پر تبدیلی کی بنیاد بن سکتا ہے۔ یہ اس وقت کے بلند خیالات تھے اور پس پردہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ہوا۔ یہ تمام تجربات، نئے خیالات اور نئے دوستانہ تعلقات جن میں یہ سب منسلک ہوئے یکدم 1939ء میں ختم ہو گئے جب جرمنوں نے دنیا کو ایک نئی جنگ میں جھونک دیا۔ دونوں جنگوں کے بعد یہ وقت نہ تھا کہ مذہب کے مختلف خیالات پر نئے سرے سے غور وخوض کیا جاتا اور اس سوچ کو اس بین خلا کو پر کرنے کے لئے بطور ایک موثر ذریعہ استعمال کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ عظیم دوم کے بعد جرمن۔ ہندوستانی دوطرفہ روابط اور تعاون کا خاتمہ ہوگیا۔ 1945ء میں جرمنوں کی شکست سے قومی زوال کی کیفیت پیدا ہوگئی اور تاریخ کے اوراق پر سے ماضی کی ساری یادیں کورے کاغذ کی طرح یکسر مٹ گئیں۔ جنگ عظیم دوم کے بعد عالمی سطح پر اجتماعی سوچ دماغوں سے غائب ہوگئی اور اس کی جگہ تیسری دنیا کے لوگوں پر مغربی ممالک کی یکطرفہ ترقیاتی امداد کے نظام نے جگہ لے لی۔ اور اس طرح گذشتہ ۳۰ سالوں میں جو تمدنی اور مذہبی تعلقات اور ہم آہنگی کے رابطے جن میں تمام لوگ برابری کی بنیاد پر کام کر رہے تھے ان کی یادیں غائب ہوگئیں۔ ہماری کوشش ہے کہ ان بھولی ہوئی اجتماعی یادوں کو اور ان گہرے تعلقات کی تفصیلات کو تلاش کر کے پھر سے عمومی طور پر اجاگر کریں جو آج بھی یورپ میں مسلمانوں کے متعلق مطالعہ کے لئے مذہبی سکالرز کے لئے ضروری ہیں۔ (ص ۳۳،۳۴)

☆☆☆☆

بقیہ: **قرآن مجید رسول کریم صلعم کا عظیم معجزہ**

جدوجہد کی کیفیت کو کیسے مختصر لیکن جامع الفاظ میں بیان کیا ہے گویا کہ وہ رات کی سیاہی، بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اتنے کم الفاظ میں اتنے کامیاب طور پر سمندری خطرات کی تصویر کشی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عربی نے کبھی زندگی بھر سمندر کا سفر ہی نہیں کیا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل قرآن مجید کی گہری بصیرت سے روشن ہوگیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہیں ہے بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی کیفیت سے باخبر ہے۔ اس کے بعد میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

قرآن کریم کے بارے میں اللہ نے فرمایا: ''اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ یک خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا'' (سورۃ حشر ۵۹:۲۱)

کامل رہنمائی

قرآن کریم کو کلام الٰہی اور انسانوں کی کامل رہنمائی ہونے کے لحاظ سے ایک خاص عظمت حاصل ہے۔ اس حق کو ادا کرنے کے چار طریق ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ اس کی تلاوت کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے اور تجوید کے ساتھ پڑھنے کو معمول بنایا جائے۔ دوسرا یہ کہ اس کے معنی ومفاہیم کو سمجھا جائے۔ اس کے لئے قرآن کریم کے مطالعہ کے لئے کسی معروف قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر کا انتخاب کیا جائے۔ اور کسی قرآن جاننے والے کی رہنمائی میں اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ تیسرا یہ کہ اس کے مطالب اور احکامات سے زندگی میں رہنمائی حاصل کی جائے۔ چوتھا یہ کہ اس کے معنی ومفاہیم کو دوسروں تک دعوت الی اللہ کے ذریعے پہنچایا جائے کیونکہ اللہ کا منشا ہی یہ ہے کہ مسلمان اس زمین پر قرآن کے پیغام کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ موجودہ زمانے میں جب کہ قرآن اور مسلمانوں پر علمی رنگ میں حملے ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں اور اللہ اور اسکے رسول صلعم کی اطاعت کے ذریعے اپنی زندگیوں کو کامیاب بنائیں۔ یہی حضور اکرم صلعم کے معجزہ قرآن کی سچی قدردانی ہوگی۔

سراج منیر

میاں فخرالدین احمد مرحوم (راولپنڈی)

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اُٹھو دیکھو سنایا ہم نے

رب دوالمنن نے بنی نوع انسان کے لئے جو نعماء عطا کی ہیں۔ان میں خیر الازم، افضل الرسل، سرتاجِ انبیاء حضرت محمد مصطفٰےصلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی ہے۔آنحضرت کی تشریف آوری کو نور قرار دیا ہے۔(المائدہ۔15) سورۃ الاحزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ اور سراج منیر ٹھہرایا ہے۔(22:45۔46) اسی نور کی مدح سرائی میں حضرت امام الزماں فرماتے ہیں:

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
جب سے یہ نور ملا نور پیمبر سے ہمیں
ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفٰے پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

اللھم صلی علی محمد

یہ نور فاران کی چوٹیوں سے چمکا۔اس آفتاب عالم مہتاب کے طلوع کے بعد ان روشنیوں کی ضرورت نہ رہی جو مختلف ادوار اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ظلمت کو دور کرنے کے لئے آتی رہیں۔قومی انبیاء اور رسل اپنے اپنے زمانے میں قوموں کو حق کی طرف بلاتے رہے اور شمع ہدایت سے شمع ہدایت حاصل کرتے رہے مگر اب طلوع آفتاب کے بعد کسی چراغ کی حاجت نہیں رہی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ساری اقوام اور سارے زمانوں کے لئے تھی۔اسی لئے جو تعلیم اور کتاب آپؐ نے پیش کی وہ ہر لحاظ سے اکمل اور اتم ہے۔

عہد نامہ عتیق کی پہلی کتاب کی ابتدائی آیات میں بھی اس نور کا ذکر ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

''خدا نے ابتداء میں زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین سنسان اور ویران تھی اور گہراؤ کے اُوپر اندھیرا تھا اور خدا کی رُوح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔اور خدا نے کہا کہ روشنی ہو جا۔اور روشنی ہو گئی۔اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے۔اور خدا نے روشنی کو تاریخی سے جدا کیا۔(قد تبین الرشد من الغی) ناقل۔

اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا (سراج منیر۔ناقل) اور تاریکی کو رات۔۔۔۔

نور وہ پھیلی ہوئی روشنی ہے جو نیک اور بد کے دیکھنے میں مدد دے۔ابن جریر اور ابن عباس نے نور کے معنی ہادی کئے ہیں۔

گوتم بدھ نے بھی معرفتِ الٰہی کو نور کا نام دیا ہے۔حضرت مسیح موعودؑ بھی اپنے حواریوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:''تم دنیا کے نور ہو'' چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے دائمی منجی۔ہادی اور پیشوا ٹھہرائے گئے ہیں۔اس لئے آپؐ کی ذات سراج منیر ہے۔جس کی روشنی کبھی کم نہیں ہوتی نہ ہی گھٹتی یا اوجھل ہوتی ہے۔بلکہ سدا تاباں اور درخشاں رہتی ہے۔چاند اور ستارے بھی اسی آفتاب سے روشن ہوتے ہیں اور یہی مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ الاصحابی کالنجوم۔انہی نجوم میں سے ایک چودھویں کا چاند ہے جو عین چودھویں صدی کے سر پر نمودار ہوا اور اس میں جو روشنی ہے وہ سراج منیر کا انعکاس ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے''

جس طرح دن کو سورج کی روشنی کا لطف وہی اُٹھاتا ہے جس کی بصارت درست ہو۔ایک نابینا اس نور کے لائے ہوئے نور سے وہی مستفیض ہوتا ہے جس کو بصیرت حاصل ہو۔سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے اس نور کا ذکر فرمایا ہے کہ گویا وہ ایک طاق میں رکھا ہوا چراغ ہے۔ چراغ ایک شیشہ ہی ہے اور بابرکت زیتون کے درخت سے روشن ہورہا ہے۔جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔اس چراغ کا تیل بغیر آگ کے چھوئے روشنی دیتا ہے۔

اس نور سے مراد رسالت مہتاب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ زیتون جو برکت دیا گیا سلسلہ محمدیؐ کے قائم مقام ہے۔اور مقصود یہاں اس امر کی یاددہانی ہے کہ اب ابد تک سلسلہ محمدیؐ کا نور ہی ہدایت کا چشمہ رہے گا۔کسی اور سلسلہ سے یہ خدمت نہیں لی جائے گی۔سورۃ التین میں انجیر اور زیتون اور اسی نسبت سے طور سینا اور بلد امین کو شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

انجیر سلسلہ موسوی یا بنی اسرائیل کے قائم مقام ہے۔اس کی تائید خود توریت اور انجیل سے ہوتی ہے۔عہد نامہ عتیق میں یرمیا نبی کا ایک صحیفہ موجود ہے۔اس کے چوبیسویں باب میں یرمیاہ کے ایک مکاشفے کا ذکر ہے جس میں انہیں اچھے اور برے انجیروں کی ٹوکریاں دکھائی جاتی ہیں اور تفہیماً بتایا جاتا ہے کہ یہاں انجیروں سے مراد بنی اسرائیل کے اچھے لوگ ہیں۔

عہد نامہ جدید میں بھی حضرت مسیح ناصری بھوک سے بے تاب ہو کر ایک انجیر کے درخت کے پاس جاتے ہیں کہ اس کے پھل سے اپنی بھوک فرد کریں مگر انجیر کا درخت بے برگ وبار دیکھا کیونکہ وہ اس کے پھل لانے کا موسم نہ تھا۔اسی عالم میں حضرت نے بددُعا کی کہ ''اب سے تجھ میں کبھی پھل نہ لگے'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ بنی اسرائیل سے منقطع ہوگیا۔یہ سلسلہ طور سیناء سے شروع ہوا تھا اور انجیر کے درخت سوکھ جانے پر ختم ہوگیا۔اس کے مقابل سلسلہ ابراہیمی مکہ معظمہ سے شروع ہوا اور بابرکت زیتون پر ختم ہوا جس سے روشن ہونے والا کرۂ نور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضوفگن رہے گا۔اس نور کو بجھانے کے لئے کئی ابولہب عمر رائیگاں کریں گے مگر یہ نور جاوداں زیادہ سے زیادہ روشنی دے گا۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ طور سینا پر حضرت موسیٰؑ نے نور کی تجلّی دیکھی تھی۔یہ نور خداوند کریم نے توریت، زبور، انجیل میں بھی رکھا تھا اور اسی نور کی مکمل اور متمم صورت اب بلد امین سے طلوع ہوئی۔موسوی سلسلہ کی تاریخ میں ایک پھلدار انجیر خشک ہوگئی۔مگر سلسلہ محمدیؐ میں وادیٔ غیر ذی ذرع سرسبز وشاداب ہوگئی۔

بابرکت زیتون کے تیل سے روشن ہونے والے شمع ہدایت میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ شرقی نہ غربی۔دنیا کے محنت کشوں اور بوجھوں تلے دبے ہوئے انسانوں کو سکون دینے کے لئے نہ تو ماؤ کا مشرقی فلسفہ کام آسکتا ہے نہ ہیگل، مارکس اور اینگلز کے مغربی فلسفے، بلکہ دنیا کے دکھوں اور مصائب کا حل، امن اور سکون اس رحمۃ العالمین کے دامن میں ہے جو زمان ومکان، رنگ وانسان مشرق ومغرب کی قیدوبند سے مبرا ہے۔

پچھلے چودہ سو سالوں میں ظلمت اور تیرگی نے بڑھنے کے لئے جہاں کہیں بھی اور جس سمت اور رنگ میں بھی پیش قدمی کی۔اس کے مقابل پر نورِ ازل بھی اسی رُخ سیل کی مانند رواں دواں ہوا اس زمانہ میں لوگ ہستی باری تعالیٰ سے انکار پر اُتر آئے تو اس نور کے ایک دھارے نے خداوند عظیم کے جلال کا پتہ دیا اور اس کی ہستی پر یقین محکم پیدا کیا۔منکرین ہستی باری تعالیٰ نے اس خدائے لم یزل کو دیکھا۔اس کو پایا اور اس سے ہمکلام ہوئے۔یہی وہ نور تھا جس نے بڑے بڑے مفکّروں، عالموں اور فاضلوں کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لا ڈالا۔مردے زندہ ہوگئے۔گونگے بولنے لگے اور عجمی فصاحت سے کلام کرنے لگے۔اس زمانے کے امام ہمام نے بھی اس سراج منیر سے نور لیا اور ایک ایسی جماعت قائم کی جو اس نور اپنے عمل اور فعل سے دُور تک پہنچائے۔آج بھی ظلمت کدوں میں روشنی پھیلانے کے لئے اسی شمع سے نور کا لیکا لیا جاتا ہے۔جس طرح اولمپک کھیلوں کے لئے یونان سے مشعل پہنچائی جاتی ہے۔اسی طرح اس سراج منیر کے پیدا کردہ نور سے مشرق ومغرب میں مشعل پہنچائی جاتی ہے جو وہاں پائی جانے والی ظلمت اور گمراہی کو پاش پاش کردیتی ہے۔

اللھم صلی علی محمد وعلی اله محمد وبارک وسلم

معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

حقائق اور واقعات کی روشنی میں

ناصر احمد بی۔اے، ایل ایل بی

(یہ مضمون جامع دارالسلام لاہور میں اتوار 8 مئی 2016 کو بطور درس قرآن مجید پڑھا گیا۔ اس موقع پر موضوع سے متعلق دیگر متعلقہ واقعات پر بھی تاریخ اور حقیقت کی روشنی میں تجزیہ کیا گیا۔ جو آئندہ شامل اشاعت کئے جائیں گے۔ ادارہ)

''وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا۔ بابرکت بنایا، تا کہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔'' (۱:۱۷)

''ستارہ گواہ ہے جب وہ ڈوبتا ہے۔ تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ وہ بہکا ہے۔ اور نہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔ یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔ اسے مضبوط قوتوں والے نے سکھایا ہے، حکمت والے نے۔ سو وہ اعتدال پر قائم ہوا۔ اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے۔ پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب۔ سو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی، جو وحی کی۔ جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں کہا۔ تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے۔ اور اس نے اسے ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنت ہے جو اصل ٹھکانا ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔ آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی۔ اس نے اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے۔'' (۱:۵۳۔۱۸)

خواتین وحضرات! میں نے ابھی سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نجم سے چند آیات اور ان کا ترجمہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ جن میں واقعہ معراج کا ذکر ہے۔ پیشتر اس کے کہ ہم اسلامی تاریخ کے اس نہایت اہم روحانی واقعہ کے متعلق گفتگو کریں کہ یہ کب، کس جگہ اور کس طریق پر ہوا اور کون سے اہم احکامات اس موقع پر نازل ہوئے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ذہن میں اس عظیم واقعہ کے عظیم مقاصد کو واضح طور پر سمجھ لیا جائے۔ اس واقعہ کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت اور قربت کا ایسے عظیم الشان طریق پر اظہار کیا جس کی مذہبی دنیا میں نہ پہلے مثال ملتی ہے اور نہ کبھی آئندہ ملے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ، محبوب خدا صلعم کو وہ بلندی، عزت اور شان عطا فرمائی ہے جس سے آگے انسانی ذہن کی سوچ کا جانا ممکن نہیں۔ **اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد**۔ واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلعم کو سات آسمانوں کی سیر کروائی اور پھر اپنے اتنا قریب بلایا کہ حضرت جبرائیل بھی اس جگہ جانے کی ہمت نہ کر سکے۔ یعنی ایک رنگ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت اور شفقت کا اظہار اتنے پیارے اور بھرپور انداز میں کیا اور آپ صلعم کو عظمت، عزت اور شان کی اتنی بلندی عطا کی جو اور کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد

معراج جسمانی ہوا تھا یا روحانی، اس سے بڑھ کر اہم بات جس پر ہم جتنا بھی فخر کریں اور خوشی منائیں کم ہے، یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کی وسعتوں اور آسمان کی بلندیوں سے بڑھ کر عزت

عظمت اور شان عطا کی اور آپؐ کے ذریعہ امت کو وہ اسوہ حسنہ عطا کیا جس پر عمل کر کے قیامت تک وہ خدا کی بخشش اور اس کی نگاہ میں عزت اور ترقی حاصل کرتی رہے گی۔

واقعہ معراج میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا بھی ذکر ہے۔ اس جگہ اکثر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ہم جسمانی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میں آپ کی توجہ قرآن مجید کے اس حصہ کی طرف دلاؤں گا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے درمیان اس سلسلہ میں گفتگو کی تفصیل درج ہے۔

قرآن مجید میں اس کی تفصیل یوں ہے:

''اور جب موسیٰؑ ہمارے وقت مقررہ پر آیا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا۔ کہا، میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ کہا تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر یہ اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تو تُو بھی مجھے دیکھ لے گا، پس جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہوکر گر گیا، پھر جب ہوش میں آیا تو کہا تو پاک ہے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔''

(۱۴۳:۷)

یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے اصرار پر اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ اے میرے رب اپنے آپ کو دکھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا یعنی یہ تیرے بس میں نہیں کہ تو میرے جلال کو جسمانی آنکھ سے دیکھ سکے اور پھر اسے برداشت بھی کر سکے۔ اگر تجھے اس بات کا یقین نہیں تو دیکھ میں صرف تھوڑی سی تجلی اس پہاڑ پر کرتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ تو اس کو کس حد تک برداشت کرتا ہے اور اس سے پہاڑ کا کیا حال ہوتا ہے۔ چنانچہ جب خدا تعالیٰ کی ایک تجلی پہاڑ پر ہوئی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے یعنی اس ایک تجلی کو بھی برداشت نہ کر سکے اور اپنی اس غلطی پر خدا کی بخشش مانگنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تو خدا کی تجلی کی ایک جھلک پر ہی بے ہوش ہو گئے لیکن یہاں معراج میں خدا تعالیٰ نے اپنی پوری شان اور جلال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر کیا اور آپ صلعم کو اتنے قریب بلا کر گفتگو کی جس سے اور زیادہ قربت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن مجید کے وہ الفاظ سنئے جن میں خود اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قربت کو بیان کیا ہے:

''اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے۔ پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا۔ سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب۔'' (۵۳: ۷۔۹)

قاب قوسین او ادنی کی حقیقت کو تفسیر بحر المحیط میں یوں بیان کیا گیا:

''ایام جاہلیت میں عرب جب ایک دوسرے سے مضبوط عہد کرتے تھے تو وہ دو کمانیں نکالتے تھے اور ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے تھے اور دونوں کے قاب مل جاتے تھے یہاں تک کہ وہ گویا ایک ہی قاب والی ہو جاتی تھیں۔ پھر ان دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور ان سے ایک ہی تیر چلاتے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ ان میں سے ایک کی رضامندی دوسرے کی رضامندی ہے اور ایک کی ناراضگی دوسرے کی ناراضگی اور اس کے خلاف ممکن نہیں۔''

پس مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے ایسا شدید قرب کا تعلق ہوا جس سے بڑھ کر قرب ممکن نہیں۔ اسی لئے **قاب قوسین** کے بعد **او ادنی** کے الفاظ بڑھائے ہیں یعنی گو دو کمانوں کے ملانے والوں کا تعلق بھی بہت شدید ہوتا ہے مگر آنحضرت صلعم کا تعلق اللہ تعالیٰ سے اس سے بھی قریب تر تھا یعنی انسانی تعلقات جس قدر قرب کو ظاہر کر سکتے ہیں اس سے بڑھ کر آپ کا تعلق ہے۔ پس **فاستوی** میں اخلاق کے کمال کا ذکر کیا ہے اور **دنا فتدلی** میں قرب الٰہی کے کمال کا ذکر کیا ہے۔

درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہماری یہ جسمانی آنکھ خدا کے وجود کی ایک جھلک بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے خدا کو دیکھنے اور اس سے ہم کلام ہونے کے لئے جسمانی کی بجائے روحانی ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ یہ بات میں ایک

اور مثال کے ذریعے بھی بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہماری یہ آنکھ سورج کی انتہائی تیز اور گرم روشنی کو نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ برداشت کر سکتی ہے۔ لیکن اگر آپ ایک شیشے کا سہارا لیں اور اس میں سورج کے عکس کو لے لیں تو آپ کی یہ جسمانی آنکھ سورج کے اس انتہائی تیز اور جلا دینے والی روشنی کو دیکھ سکتی ہے یعنی جب آپ نے ایک ایسا ذریعہ استعمال کیا جس میں سورج کی تیز اور جلانے والی روشنی منعکس ہو کر آپ کی آنکھ تک پہنچی تو آپ اس کو دیکھ سکے۔ اسی طرح جب خدا کا جلال رویا یا کشف کے ذریعہ ہم پر ظاہر ہوتا ہے تو انسان کی روحانی آنکھ اس کو دیکھ سکتی ہے۔ چنانچہ جب خدا کے بندے روحانی بلندی حاصل کر لیتے ہیں تو ان کو روحانی آنکھ عطا کر دی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ خدا کی تجلی اور دوسری دنیا کے نظارے دیکھ لیتے ہیں۔ جس طرح سورج کے سلسلہ میں میں نے شیشہ کو بطور ذریعہ کے بیان کیا تھا اسی طرح خدا کا کلام وحی کے ذریعہ سنا جاتا اور اس کا جلال رویا اور کشف کے ذریعے دیکھا جاتا ہے۔ اس ذریعہ کو ہم آج کی سائنسی زبان میں میڈیم کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح فضا میں ہر قسم کی آوازیں گھوم رہی ہیں لیکن جب تک آپ کے پاس ریڈیو سیٹ نہیں تو آپ ان آوازوں کو سن نہیں سکتے اور جس طرح فضا میں تمام ٹیلیویژن پروگرام گھوم رہے ہیں لیکن جب تک آپ کے پاس مناسب ٹیلیویژن سیٹ نہیں تو آپ ان پروگراموں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی طرح مختلف چیزوں کے سننے اور دیکھنے کے لئے مختلف ذرائع یا میڈیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس خدا کو دیکھنے کے لئے رویا اور کشف ایسا ہی ایک ذریعہ یا میڈیم ہے۔ کشف کی حالت میں گو انسان جسمانی طور پر اس دنیا میں ہوتا ہے لیکن اس کے وجود کا ہر عضو ایک دوسری دنیا کے نظاروں کو دیکھتا اور کیفیات کو محسوس کر رہا ہوتا ہے اور ان سے لطف اٹھا رہا ہوتا ہے۔

کشفی حالت خواب سے کافی مختلف ہوتی ہے۔ ہم میں سے اکثر نے سوتے ہوئے خواب میں ایسے نظارے دیکھے ہوں گے یا ایسے کام کئے ہوں گے یا ایسی کیفیات محسوس کی ہوں گی جو بالکل اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح انسان عام زندگی میں مختلف حالات اور کیفیات سے گزرتا ہے یہ روحانی حالت کی ہی ایک نہایت ہی معمولی صورت ہے جو عام آدمی کے تجربہ میں بھی آتی ہے۔

مذہب کا تعلق چونکہ جسم اور روح دونوں سے ہوتا ہے اس لئے وہ اکثر روحانی باتوں کو سمجھانے کے لئے اس جسمانی دنیا کے الفاظ اور کیفیات کا ذکر کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے انگلستان کے ایک روشن خیال پادری کی کتاب کا خیال آ رہا ہے۔ جس کا نام اس نے Honest to God رکھا یعنی خدا سے دیانتداری کا اظہار۔ اس میں اس نے عیسائیوں سے درخواست کی ہے کہ اب تک ہم آسمان، زمین، جنت اور دوزخ کے متعلق جو تصور لوگوں کو بتاتے تھے موجودہ سائنس نے ان کی حقیقت بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ مثلاً آسمان وہ نہیں جو ہمیں نظر آتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا تخت ہے جہاں سے وہ فرشتوں کو حکم دیتا ہے اور جنت اور دوزخ اس پر واقع ہیں۔ یہ تو محض فضا کی گہرائی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لئے تو روس کے سابق صدر خروشچوف نے جب پہلا سپٹنک فضا میں چھوڑا تو مذاق کے رنگ میں یہ کہا کہ ہمیں تو آسمان پر کوئی خدا نظر نہیں آیا۔ قرآن مجید کا اعجاز دیکھیں کہ اس نے آسمان کے لئے لفظ سماوات استعمال کیا ہے یعنی کئی آسمان صرف ایک نہیں۔ کیونکہ زمین پر رہنے والے ہر خطہ کے لوگوں کے لئے ان کے اوپر کی فضا آسمان ہے بلکہ ہمارے نظام شمسی کے علاوہ کئی اور ایسے ہی نظام ہیں اور اس طرح آسمان بھی۔ اکثر ہم اپنے محدود علم کے مطابق روحانی دنیا کی چیزوں یا کیفیات کے متعلق ایک تصور باندھ لیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اصل حقیقت کو سمجھنے یا بیان کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔

زمین کی مٹی کے اس ذرہ میں جو ہماری آنکھ بھی دیکھ نہیں سکتی۔ اس میں کیا طاقت چھپی ہوئی ہے اس کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب ایک سائنس دان سائنسی طریق پر اس کو پھاڑتا ہے تو اس سے Atomic طاقت پیدا ہوتی ہے اور ایٹم بم بھی بنتا ہے جس کی تباہ کاریوں سے آج ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ اسی طرح خدا کی حقیقت کیا ہے دنیا میں اس کے جلال کا اظہار کس طرح پر ہو رہا ہے اس حقیقت کو کھولنے والے خدا کے انبیاء اور اولیاء ہوتے ہیں جو وحی اور کشف کے ذریعہ لوگوں کو روحانی حقیقتوں کی خبر دیتے اور سمجھاتے ہیں۔

معراج کا واقعہ اس روحانی بلندی اور کمال کی نشاندہی کرتا ہے۔ جس کے ذریعہ انسان خدا کے قرب اور اس کی نعمتوں کو حاصل کرسکتا ہے۔ ہر انسان کس حد تک ان حقیقتوں کو جان سکتا اور خدا کے قریب ہوسکتا ہے۔ وہ اس کی اپنی کوشش اور صلاحیت پر منحصر ہے۔ اسی لئے قرآن مجید فرماتا ہے: **لیس للا انسان الا ماسعی** کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس حد تک وہ کوشش کرتا ہے۔

خواتین وحضرات! بات اللہ تعالیٰ کے وجود کو ان مادی آنکھوں سے دیکھنے کی ہو رہی تھی اور میں نے اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا تھا کہ خدا کے صرف ایک جلال کی جھلک سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے۔ پھر میں نے آپ کو سورج کی مثال بھی بیان کی تھی کہ ہم براہ راست اس کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے ہاں جب اس کا عکس شیشے میں لے لیا جائے تو انسانی آنکھ اسے دیکھ سکتی ہے۔ تو شیشہ ایک ذریعہ یا Medium بن گیا جس کے ذریعہ انسان ایسی چیز کو دیکھنے کے قابل ہوگیا جس کو بظاہر وہ دیکھ نہیں سکتا۔ کشف روحانی چیزوں کو دیکھنے کا ایک ایسا ہی ذریعہ یا Medium ہے۔ اسی لئے جب رسول خدا صلعم نے واقعہ معراج کا ذکر قریش مکہ سے کیا کہ آپ صلعم بیت المقدس گئے تھے تو قریش مکہ نے بیت المقدس کے متعلق سوالات کرنے شروع کردیئے۔ بخاری میں درج ہے کہ اس وقت کشفی طور پر پورا بیت المقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آگیا اور آپ قریش مکہ کے سوالات کے جوابات دیتے جاتے تھے۔ قریش مکہ تو سمجھتے ہوں گے کہ آپؐ اپنی یادداشت سے تفصیل بیان کررہے ہیں لیکن آنحضرت صلعم اپنی روحانی آنکھ سے پورا بیت المقدس کشفی طور پر دیکھ رہے تھے۔

معراج کے موضوع کے سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ کتاب ''قرآن اور انسان'' کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو کئی سال پیشتر شائع ہوئی تھی۔ یہ کتاب ایک مشہور اشاعتی ادارے فیروز سنز لاہور (پاکستان) نے شائع کی ہے۔ اس میں مصنف صفدر حسین صدیقی نے دینی اور سماجی مسائل پر قرآن مجید کی آیات کو اس خوبصورت انداز میں ترتیب دیا ہے کہ موضوع کے متعلق قرآنی آیات ایک مضمون کی شکل میں سامنے آجاتی ہیں۔ کتاب کا مصنف حضرت مولانا محمد علی مرحوم کے قرآن مجید کے اردو ترجمہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس کتاب میں آیات کا ترجمہ زیادہ تر مولانا محمد علی مرحوم کے ترجمہ قرآن سے حاصل کیا گیا ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کا بڑی حد تک لفظی ترجمہ ہے ترجمانی نہیں اور اس وجہ سے یہ منشاء ایزدی کو اردو زبان میں زیادہ بہتر طور پر بیان کرتا ہے۔'' (ص ۲۹)

خواتین وحضرات! اس زمانہ میں جبکہ پاکستان میں احمدی لٹریچر پر پابندی ہے اور حکومت پاکستان نے احمدیوں کو کافر قرار دے کر اور مسلسل غلط پراپیگنڈا کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں نفرت اور ذہنوں میں زہر بھر دیا ہے۔ ایک غیر احمدی مصنف کا حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے قرآن کے ترجمہ کو ''منشاء ایزدی'' یعنی خدا کے مقصد کا اظہار قرار دینا، نہ صرف ایک نہایت جرات کا کام ہے بلکہ حضرت مولانا کے ترجمہ قرآن کے متعلق اب تک کئے جانے والے تبصروں میں سب سے بہترین تبصرہ ہے۔

اس کتاب میں معراج کے عنوان کے تحت مصنف نے پہلے تو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اور سورۃ نجم کی آیت ۱ تا ۱۸ کا ترجمہ درج کیا ہے اور پھر معراج کے متعلق ذیل کا نوٹ لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''معراج نبوی جسد عنصری سے نہیں بلکہ ان کی اپنی روح کے ساتھ تھا۔ اس حالت میں معراج ہوا جبکہ آپ صلعم کا قلب دیکھتا تھا۔ انسان کا مادی جسم تو فانی ہے مگر اس کی روح اور جان لافانی ہیں۔''

پھر یہی مصنف لکھتا ہے:

''سدرہ سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کرسکتا اور آپ کا علم ایسا کامل ہوا کہ قیامت تک اب کوئی عملی ترقی اس کو باطل نہیں کرسکتی اور یوں علم اور عمل دونوں کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کی وہ تکمیل کی گئی جس سے آگے انسان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ آپ کو وہ کمال حاصل

ہوا جو دوسرے کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔'' (ص ص ۱۳۵، ۱۳۶)

خواتین وحضرات! معراج کے متعلق اس تشریحی نوٹ میں کتاب کے اس مصنف نے اپنے نوٹ میں بخاری کی ذیل کی احادیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا نہایت خوبصورت خلاصہ بیان کر دیا ہے۔

مثلاً بخاری کتاب ۶۱ باب ۲۴ میں یہ الفاظ آتے ہیں:

''وہ یعنی حضرت جبرائیل کسی اور رات آئے ایسی حالت میں کہ آپ کا دل دیکھ رہا تھا اور آپ کی آنکھ سوئی ہوئی تھی اور آپ کا دل نہ سوتا تھا۔''

اسی طرح بخاری کتاب ۵۹ باب ۶ میں یہ الفاظ آئے ہیں:

''میں یعنی آنخضرت صلعم نینداور جاگنے کی حالت میں تھا۔''

پھر بخاری کتاب ۹۸ باب ۳۷ میں یہ الفاظ آتے ہیں:

''آپ صلعم جاگ اُٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے۔''

مختصراً یہ کہ واقعہ معراج کشفی حالت میں ہوا جب آنحضور صلعم کی جسمانی آنکھ تو سو رہی تھی لیکن آنخضرت صلعم کا قلب یعنی مرکز روح جاگ رہا تھا۔قرآن مجید نے بھی معراج کے متعلق سورہ بنی اسرائیل میں لفظ رویا استعمال کیا جیسا کہ فرمایا وما جعلنا الرویا التی اریک فتنة للناس ''ہم نے اس رویا کو جو تجھے دکھایا صرف لوگوں کے لئے فتنہ بنایا۔''

(۱۷:۶۰)

پیشتر اس کے کہ میں واقعہ معراج کے متعلق مزید گفتگو کروں چند باتوں کی وضاحت کرتا چلوں۔

معجزہ ایک ایسا واقعہ یا نظارہ ہوتا ہے جس کو انسانی عقل اپنے محدود علم کی وجہ سے سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتی لیکن وہ قانون قدرت کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا۔مثلاً کفار مکہ نے جب آنخضرت صلعم سے بیت المقدس کے متعلق سوالات شروع کئے تو کشفی رنگ میں بیت المقدس آپ صلعم کو دکھایا گیا۔آج ٹیلیویژن کے ذریعہ ہزار ہا میل دور ہونے والے کرکٹ میچ تو آپ خود بھی جا کر دیکھ سکتے ہیں لیکن جب کرکٹ میچ آپ کو ٹیلیویژن کے ذریعہ گھر بیٹھے دکھا دیا جائے تو یہ کمال ہے جو ٹیلیویژن کے ذریعہ ممکن ہوا۔اسی طرح اگر فرض کر لیا جائے کہ آنخضرت صلعم نے اپنے جسم کے ساتھ حضرت جبرائیلؑ کے ذریعہ سات آسمانوں کی سیر کی اور خداوند قدوس سے ملاقات کی تو کیا اس سے زیادہ کمال یہ نہیں کہ آنخضرت صلعم کو گھر بیٹھے یہ ساری سیر اور ملاقات حاصل ہو جائے۔اسی طرح اگر صرف دیگر تمام انبیاء کی امامت کروانا ہی بیت المقدس لے جانے کا اصل مقصد تھا تو وہ تو کعبۃ اللہ میں بھی ہو سکتا تھا اور اس طرح تو کعبۃ اللہ کو اور زیادہ عزت و شرف حاصل ہو جاتا۔

درحقیقت بیت الحرام سے بیت المقدس کا سفر تمام گذشتہ انبیاء کی امامت، سات آسمانوں کی سیر اور خداوند عالم سے ملاقات کے ذریعہ آنخضرت صلعم کی روحانی بلندیوں کا اظہار کرنا، اوائل کے زمانہ میں سخت ترین مشکلات میں خدا کی نصرت کی یقین دہانی اور مستقبل میں آنخضرت صلعم کی کامیابیوں کی پیشگوئی کرنا مقصود تھا۔جس کی تفصیل میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد بیان کروں گا۔

اب میں پنجاب یونیورسٹی'لاہور' پاکستان سے شائع شدہ ''اُردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' سے معراج کے متعلق مضمون سے چند حصے سناتا ہوں تا کہ اس واقعہ کے مختلف پہلوؤں پر ایک مستند اور عالمانہ رائے کا بھی آپ کو علم ہو جائے۔ یہ انسائیکلو پیڈیا، ہالینڈ سے شائع شدہ ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' کو سامنے رکھ کر تیار کیا جا رہا ہے۔جہاں جہاں مغربی مفکرین نے غلط بیانی اور اسلام کے متعلق صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے غلطیاں کی ہیں ان کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ حکومت پاکستان نے یہ کام ایک خاص شعبہ کے سپرد کیا ہے جس کو پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منسلک کر دیا گیا ہے گویا ایک رنگ میں اس ادارہ کو حکومت پاکستان کی پوری پوری تائید حاصل ہے۔

اب اس اُردو ''انسائیکلو پیڈیا آف اسلام'' سے معراج کے بارے میں چند حصے سنئے۔

''معراج: (ع) مادہ ع رج (= عرج سے عروجا) اس کے لغوی معنی

بصیغہ اسم آلہ، سیڑھی کے ہیں اور اصطلاحاً بلندی اور روحانی کمال، خاص کر تقرب الٰہی حاصل کرنے پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج کی بحث مطلوب ہے۔

قرآن مجید کی سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔ **سبحن الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام**۔۔۔الایۃ۔ اس کا تعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانی سفر سے ہے۔ اس آیت کی تفسیر وتعبیر کئی طرح سے کی گئی ہے۔ بعض اس سفر آسمانی کو محض رؤیا کہتے ہیں۔۔۔۔لیکن اصطلاحاً معراج کا جس واقعے پر اطلاق ہوتا ہے اس کا تعلق قریش کے شدید سماجی مقاطعے اور شعب ابی طالب کے محاصرے کے بعد اور اولین بیعت عقبہ سے قبل سے ہے۔۔۔سید سلیمان ندوی (دیکھئے سیرۃ النبی ۳ واقعہ معراج) نے قرآن مجید کی آیت **وان کادوا لیستفزونک من الارض** (۱۷:۷۶) سے استدلال کیا ہے کہ یہ ہجرت کا حکم یا اس کی پیشگوئی ہے (جمہور کے نزدیک اسرا اور معراج کا واقعہ ایک ہی شب میں پیش آیا اور وہ ۲۷ رجب کی رات تھی دیکھئے الزرقانی: شرح مواہب اللدنیہ ا:۳۵۵ بعد)۔

’’قرآن مجید میں معراج کا ذکر بنی اسرائیل ۱۷:۱، ۵۳ سورۃ النجم :۱ تا ۱۸، التکویر ۸۱:۱۹ تا ۲۴ میں کیا گیا ہے۔۔۔۔مفسرین کے خیال کے مطابق سورۃ اسراء جو بنی اسرائیل کے نام سے بھی موسوم ہے۔ پوری کی پوری معراج ہی کے حالات پر مشتمل ہے۔ درمیان میں وعظ و ارشاد بھی ہے۔ اس سورۃ کا اجمالی خاکہ یہ نظر آتا ہے کہ ابتداء میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بجا طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچایا گیا۔ اس کے بعد دنیوی تکالیف سے رنجور نہ ہونے کے لئے انبیائے سلف کے حالات یاد دلائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی مخالفین (قریش) کو عذاب کی وعید کی جاتی ہے۔ ضمناً (اشارہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کر جانے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ پھر معراج نبویؐ کے امت پر اثرات اور ان بارہ احکام کا ذکر ہے جو امت محمدی کو دیئے گئے ہیں۔ (شرک نہ کرو، ماں باپ کی عزت کرو، مستحقوں کا حق ادا کرتے ہوئے مسکینوں غریبوں سے حسن سلوک کرو، نہ اسراف کرو، نہ بخل، قتل اولاد نہ کرو، زنا کے قریب تک نہ جاؤ، ناحق کسی کو جان سے نہ مارو، یتیم کے مال کی دیانتداری سے حفاظت کرو، عہد پورا کرو، ناپ تول میں کمی نہ کرو، نادانی کی بات کا پیچھا نہ کرو، اکڑ کر نہ چلو)۔ پھر رسالت ونبوت، قرآن، قیامت اور وحی کی حقیقت بھی سمجھائی گئی ہے اور خالق ومخلوق کے تعلقات کے سلسلے میں معراج نبوی اور نماز کا ذکر اور اس کے برکات تفصیل سے بتائے گئے ہیں۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بھی ہمت بندھانے کے لئے بتائے گئے ہیں یعنی یہ کہ ان کو بھی مصر سے ہجرت کرنا پڑی۔۔۔النجم ۵۳:۱ تا ۱۸، التکویر ۸۱:۱۹ تا ۲۴ میں انسان کا منتہائے کمال بتایا گیا ہے لیکن **قاب قوسین او ادنی** ہونے کے باوجود انسان، انسان ہی رہتا ہے وہ خدا نہیں بن جاتا ہے۔ وہ فنا فی اللہ بے شک ہوجاتا ہے، وہ خدا کی زبان سے بولتا اور خدا کی مرضی ہی کے مطابق ہر کام کرتا ہے، لیکن انسان کامل اور نور محض (خدا) کے مابین ایک نورانی مخلوق۔۔۔۔کو واسطہ بنے رہنے کی بہر حال ضرورت رہتی ہے۔ رویت باری تعالیٰ کے متعلق (جو ایک معراج کی ضمنی بحث ہے) حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ **شدید القوی ذو مرۃ** (وہ ایک نور ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں)۔ حضرت عائشہ نے قرآن (۶:۱۰۳) سے استدلال کیا ہے کہ انسانی آنکھیں خدائے لطیف کا نظارہ نہیں کرسکتیں۔

معراج کے ذکر میں نماز کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس بناء پر بعض احادیث میں نماز کو معراج المومنین قرار دیا گیا ہے۔ حضرت مالکؓ بن صعصعہ کی روایت میں مندرجہ ذیل زوائد ہیں کہ روانگی کے وقت خواب و بیداری کے مابین کوئی کیفیت تھی۔ حطیم کعبہ میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ معراج کا ذریعہ براق تھا۔ سات آسمانوں میں جن جن پیغمبروں سے ملاقات ہوئی اس میں بھی تھوڑا بہت اختلاف ہے۔ بہر حال پہلے آسمان میں حضرت آدمؑ دوسرے میں حضرت یحییٰ وعیسیٰؑ، تیسرے میں حضرت یوسفؑ چوتھے میں حضرت ادریسؑ پانچویں میں حضرت ہارونؑ چھٹے میں حضرت موسیٰ

ساتویں میں حضرت ابراہیمؑ کا نام زیادہ تر لیا جاتا ہے۔ معراج سے واپسی میں یا بعض روایات کے مطابق آسمان پر صعود سے پہلے بیت المقدس میں انبیاء کی روحیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرتی ہیں اور آپؐ نماز دوگانہ ادا کرتے ہیں تو سب آپؐ ہی کو اپنا امام بناتے ہیں۔

''واپسی کے بعد جب مکے میں چرچا ہوا تو۔۔۔۔قریش نے صرف یہ پوچھا کہ اگر بیت المقدس دیکھا ہے تو اس کا منظر بیان کرو۔ سید سلیمان ندوی نے (سیرت النبی، جلد سوم) تحقیقی بحث کے سلسلے میں لکھا ہے کہ معراج پر روانہ ہونے پر بستر سے غائب ہونا، گھر والوں کا رات کو پہاڑوں میں تلاش کرنا، واپسی میں ایک قریشی کاروان تجارت سے راستے میں ملاقات کرنا، نیز اس خبر کے پھیلنے پر بہت سے لوگوں کا مرتد ہوجانا، یہ سب لغو قصے ہیں جن کی صحیح احادیث سے کوئی تائید نہیں ہوتی۔ واقعہ معراج کو مسلمانوں کے ہاں قدرتاً بڑی اہمیت حاصل ہے۔۔۔۔

''معراج کے متعلق بعض عربی تالیفوں کا لاطینی ترجمہ تیرھویں صدی عیسوی ہی میں ہو چکا تھا۔ اسی کا چربہ لے کر اطالوی شاعر دانتے (۱۲۶۵ء تا ۱۳۲۱ء) نے اپنی مشہور نظم Divina Comedia (طربیہ ربانی) لکھی جس میں جنت اور دوزخ کی سیر کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیل Asin نے اپنی کتاب Islam and Divine Comedy میں دی ہے اور اس پر ابن عربی کے اثرات دکھائے ہیں۔ (جلد ۲۰ ص ص ۳۴۶ تا ۳۵۰)

آپ نے دیکھا کہ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' کے مرتبین نے بھی واقعہ معراج کی تفصیل کے علاوہ اس کی اہمیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

اب تک میں نے قرآن مجید، حدیث اور روشن خیال غیر احمدی مفکرین اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے حوالے سے معراج پر روشنی ڈالی ہے۔ پیشتر اس کے کہ میں اس موضوع پر مزید آگے چلوں یہ وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ احمدی طریق استدلال یہ ہے کہ ہمارے لئے قرآن مجید سب سے مقدم ہے۔ پھر بخاری کا درجہ آتا ہے اگر وہ قرآن مجید کی تائید کرے اور پھر مسلم اور دیگر احادیث کی کتب۔ اب قرآن مجید اس واقعہ کو رویا کہتا ہے۔ بخاری اسی بات کو یوں بیان کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سوتی تھی اور دل جاگ رہا تھا، جو کشف کی کیفیت ہے۔ پھر میں نے مختلف طریق سے آپ کو بتایا ہے کہ خدا کے وجود اور دوسری دنیا کی نعمتوں کو دیکھنا انسان کی اس آنکھ سے ممکن نہیں اس کے لئے روحانی ذریعہ یا Medium کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ ذریعہ رویا یا کشف ہی ہوتا ہے جو تمام انبیاء اور اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔

ابھی آپ نے اردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے اقتباس میں شعب ابی طالب کا ذکر سنا تھا یہ مکہ کے قریب ایک گھاٹی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانثاروں کو تین سال تک ایک قید کی سی زندگی گذارنی پڑی۔ نہ ان کو کہیں آنے جانے دیا جاتا تھا نہ کہیں سے کوئی چیز ان تک پہنچ سکتی تھی۔ صرف حج کے دنوں میں ان کو آزادی حاصل ہوتی تھی۔ احادیث میں لکھا ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کی اتنی قلت ہوگئی تھی کہ لوگ درختوں کے پتے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ معراج کا واقعہ اس تین سال کی قید کے فوراً بعد کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہؓ کو ان کے ایمانوں کو مضبوط کرنے اور مستقبل میں کامیابیوں اور کامرانیوں کی خوشخبری دینے کے لئے معراج کے ذریعہ یہ کشفی نظارے دکھائے۔

معراج کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں الفاظ لنریہ من ایاتنا یعنی تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد علی صاحب تفسیر بیان القرآن میں فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلعم کا معراج اس غرض کے لئے تھا کہ آپؐ کو کچھ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائی جائیں گویا جو باتیں آپؐ کو معراج میں دکھائی گئیں وہ کسی دوسری حقیقت کے لئے بطور نشان بھی تھیں۔ اور درحقیقت معراج میں آنحضرت صلعم کے کمالات غیر متناہی کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ بتایا ہے کہ آپؐ اس بلند ترین مقام پر پہنچے ہوئے ہیں جہاں کوئی دوسرا انسان یا فرشتہ نہیں پہنچا اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس اسرا میں اشارہ نبی کریم صلعم کی ہجرت کی طرف ہو۔۔۔

واقعہ اسرا میں یعنی آنحضرت صلعم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے جائے جانے میں یہ اشارہ ہے کہ بیت المقدس جو انبیائے بنی اسرائیل کا مقام تھا آنحضرت صلعم کے متبعین کو دے دیا جائے گا کیونکہ یہود یا عیسائیوں میں وہ لوگ نہ رہے تھے جو اس پاک سرزمین کے وارث قرار دیئے جاتے اور بموجب وعدہ خداوندی بھی ضروری تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی دوسری شاخ اب اس پاک سرزمین کی مالک ہوتی۔ پس اصل اشارہ اس طرف ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی برکات کا وارث بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کو کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معراج میں کل انبیاء کا آپ کے اقتدا میں بیت المقدس میں نماز پڑھنا دکھایا گیا اور قرآن شریف میں معراج کا ذکر صرف اسی قدر ہے جو یہاں ہوا یعنی بیت المقدس کو لے جانے کا ذکر، آسمانوں کا ذکر نہیں، جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں بیت المقدس کے آنحضرت صلعم کو دیا جانے اور انبیاء سابق کی تمام برکات کا وارث کیا جانے کی طرف ہی خاص اشارہ ہے۔''

ہماری جماعت کے ایک اور عالم اور مفسر قرآن حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اس موضوع پر کئی ایک پہلو سے دلچسپ تشریحات کی ہیں اس وقت ان میں صرف چند کا ذکر کرتا ہوں۔

خدا کا قرب

'' خدا سے قرب کے مراتب انسان کی روح کو حاصل ہوتے ہیں نہ کہ جسم کو۔ مادی جسم کا خدا کی طرف اونچا ہونا یا اٹھنا یا اس کے قریب ہونا ایک بے معنی سی بات ہے۔ خدا کوئی مادی یا محدود چیز نہیں نہ وہ کسی مقام میں محدود ہے کہ انسان کا مادی جسم جو مادی حد بندیوں کے قیود کا پابند ہے اس سے نزدیک یا دور ہو سکے۔ کیا جو لوگ پہاڑ پر رہتے ہیں یا ہوائی جہازوں میں اڑتے ہیں۔ ان کی نسبت کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ خدا کے قریب ہو گئے یا خدا کے مقرب ہیں۔ پس خدا سے قرب کے منازل جسم کے آسمان کی طرف اٹھنے سے طے نہیں ہوتیں۔ بلکہ خدا کی فرمانبرداری سے طے ہوتی ہیں اور جیسے جیسے بندہ فرمانبرداری میں ترقی کرتا اور خدا کے آگے جھکتا ہے۔ ویسے ویسے وہ واسجد واقترب کے تحت خدا کی طرف روحانی پرواز کرتا اور اس سے قریب ہوتا جاتا ہے اور لترکبن طبقا عن طبق (۱۹:۸۴) کے ماتحت ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف اوپر چڑھتا۔۔۔۔۔اور خدا سے نزدیک ہوتا چلا جاتا ہے۔

معراج کی حقیقت

''ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مراتب روحانی طے کر کے اللہ تعالیٰ کے قرب کے اس انتہائی مقام پر پہنچ گئے جسے قرآن کریم نے ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی (النجم ۵۳:۹) کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ یعنی کہ خدا سے اس قدر نزدیک ہوا جو نزدیک ہونے کا انتہائی مقام ہے اور مخلوق کی طرف جھکا یعنی مخلوق کی ہمدردی اور شفقت میں آپؐ کی جان اس قدر گداز ہوئی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ پس ایک طرف خدا سے واصل اور دوسری طرف مخلوق میں داخل ہو کر آپؐ دونوں قوسوں یعنی قوس الوہیت اور قوس عبودیت کا درمیانی وتر یعنی تمام مخلوق کا اس کے خالق سے تعلق جوڑنے کے لئے واسطہ اور شفیع بن گئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قرب کا درجہ اگر مقصور ہوسکتا ہے تو آپؐ نے اس انتہائی مقام کو بھی پالیا۔ اور یہی وہ حقیقی معراج تھا جو ہمہ وقت آپؐ کو حاصل تھا اور اسی روحانی پرواز اور قرب الٰہی کی مختلف منازل کو عین حالت بیداری میں بذریعہ ایک کشف کے آپؐ کو دکھایا گیا جسے عرف عام میں معراج کہتے ہیں۔ وہ ایک نورانی جسم ہوتا ہے جو حالت کشف میں مقربین الٰہی کو ملتا ہے اور جو تمام مراتب عالیہ کو طے کرتا نظر آتا ہے۔

بعض معبرین کی تعبیرین

''الغرض معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مراتب قرب الٰہی کا نظارہ دکھانا مقصود تھا جس پر آپؐ فائز المرام ہو چکے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ نظارہ روحانی ہی ہوسکتا ہے نہ کہ جسمانی۔ لنریہ من ایا تنا کی تفسیر میں بعض مفسرین نے اس سے کشف کے مختلف حصوں کی تعبیر بھی کی ہے اور بتایا ہے کہ معراج میں علاوہ آپؐ کے مراتب روحانی کے نظاروں کے آپ کو بڑی بڑی

عظیم الشان آیات اورنشانات بھی دکھانے مدنظر تھےاور وہ آپؐ کے مستقبل کے متعلق پیشگوئیاں تھیں جوانہی نظاروں کے اندر پنہاں تھیں۔ان میں سے بعض کا یہاں مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) جوشخص کسی رویا یا کشف میں دیکھے کہ وہ براق پر سوار ہے۔اس کی تعبیر ہے کہ وہ مراتب عالیہ پر پہنچے گا اور اس کو سفر میں عزت ملے گی اور جہاں سے گیا ہے وہاں باعزت واپس ہوگا۔ یہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی پیشگوئی تھی اور اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ آپؐ جہاں تشریف لے جائیں گے وہاں بڑی عزت پائیں گے اور ہر قسم کے مراتب عالیہ کے وارث ہوں گے اور پھر عزت کے ساتھ مکہ معظمہ کو واپس ہوں گے۔جیسا کہ فتح مکہ کے وقت ہوا۔

(۲) جوشخص کسی رویا یا کشف میں دیکھے کہ وہ پہلے آسمان پر گیا ہے۔اس کی عمر بہت لمبی نہ ہوگی چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات ۶۳ سال میں ہوئی۔

(۳) اور جو دیکھے کہ وہ دوسرے آسمان پر گیا ہے اسے علم اور حکمت بے انداز ملے گا جیسا کہ آنحضرت صلعم کو حاصل ہوا۔

(۴) اور جو دیکھے کہ وہ تیسرے آسمان پر گیا ہے اس کی عزت اور اقبال زیادہ ہوگا۔جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا۔

(۵) اور جو دیکھے کہ وہ چوتھے آسمان پر گیا ہے۔وہ بادشاہوں کی نظر میں معزز ہوگا، چنانچہ دیکھ لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف بادشاہوں کی نظروں میں معزز ہوئے بلکہ آپؐ کی امت میں سینکڑوں ہزاروں بادشاہ ہوئے جنہیں فخر تھا کہ وہ آپؐ کے غلام ہیں۔

(۶) اور جو یہ دیکھے کہ وہ پانچویں آسمان پر گیا ہے اس کو جزع وفزع و مشکلات پیش آئیں گی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑھ کر مشکلات کا سامنا ہوا۔جس سے آپؐ کے صبر واستقامت ، شجاعت اور رضا بقضا کے اخلاق فاضلہ ظہور میں آئے۔

(۷) اور جو دیکھے گا کہ وہ چھٹے آسمان پر گیا ہے اس کو سعادت و جاہ حاصل ہوگا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود ہر قسم کی مشکلات کا سامنا ہونے کے آخر کار اس قدر سعادت اور جاہ وجلال حاصل ہوا کہ دنیا میں کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔

(۸) اور جو دیکھے کہ وہ سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ گیا ہے اس کی ساری آرزوئیں اسی دنیا میں حاصل ہوں گی اور وہ کامیاب ہوگا اور دین و دنیا کی بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھا جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی ساری مرادیں اسی دنیا میں آپ کو خدا نے عطا فرمائیں اور جس مشن کو لے کر آپؐ کھڑے ہوئے تھے اس میں پوری پوری کامیابی کے بعد آپؐ دنیا سے رخصت ہوئے۔ یہاں تک کہ انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا میں محققین یورپ کو بھی ماننا پڑا کہ مذہبی شخصیتوں میں آپؐ سے بڑھ کر کوئی کامیاب انسان نہیں گزرا اور آپؐ ہی وہ عظیم الشان شخصیت ہیں جس کے سر پر دین ودنیا کی بادشاہت کا تاج ایسے جاہ و جلال کے ساتھ رکھا گیا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

(۹) اور جو شخص رویا یا کشف میں جناب الٰہی کی زیارت کرے اس کا انجام بخیر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم سے بڑھ کر اور کس کا انجام بخیر ہوا۔

(۱۰) اور بیت المقدس میں جاکر نبیوں کی امامت کرانے میں جہاں آپؐ کے تمام نبیوں کے سردار ہونے کی طرف اشارہ تھا۔ وہاں اس امر کی طرف بھی اشارہ تھا کہ بیت المقدس کی امامت بھی اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کرائیں گے۔یعنی وہ تمام ممالک جن پر بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا قبضہ تھا اور جن کا مذہبی مرکز بیت المقدس تھا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دیئے جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔

غرضیکہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات بے انداز ہیں اگر اس کے ہر ایک نظارہ اور واقعہ کی تشریح اور تعبیر تفصیل سے کی جائے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔(بشارت احمدیہ جلد سوم ص ص ۱۰۱ تا ۱۰۹)

☆☆☆☆

قرآن مجید رسول کریم صلعم کا عظیم معجزہ

قاری ارشد محمود

قرآن شریف حضور اکرم صلعم کا عظیم معجزہ ہے۔لفظ ''معجزہ'' عجز سے بنا ہے یعنی ایسا کام جس کے کرنے سے کوئی عاجز ہو۔اصطلاح میں ''معجزہ'' اس خلاف عادت بات یا فعل کو کہتے ہیں جو کسی نبی یا پیغمبر سے ظاہر ہو۔معجزہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک ایسا مخصوص فعل ہے جو کسی نبی اور رسول کو کسی وقت بھی عطا ہو سکتا ہے۔نبی اور رسول اپنی طرف سے اس کو دکھا سکتے ہیں۔اللہ جب چاہے انبیاء کو معجزہ عطا کرتا رہا ہے۔دنیا میں جتنے بھی نبی اور رسول اللہ کی طرف سے آئے، انہیں کوئی نہ کوئی معجزے عطا ہوتے رہے۔معجزے اس لئے عطا ہوتے ہیں کہ ہدایت سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو بڑی قدرت والے اللہ کے وجود کا یقین دلایا جا سکے۔

الٰہی رہنمائی

قرآن شریف کلام الٰہی ہے۔یہ حضور اکرم صلعم پر بتدریج 23 سال میں نازل ہوا۔قرآن شریف انسانیت کا عظیم منشور ہے۔اس کتاب میں رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کی دنیا و آخرت کی ہر طرح کی کامیابی کے لئے رہنمائی موجود ہے۔جس طرح انسان کوئی مشین ایجاد کرتا ہے تو اسے بہتر طور پر استعمال کرنے کے لئے طریقہ استعمال کی کتاب بھی تیار کرتا ہے۔جس میں مشین کو بہ حفاظت استعمال کرنے کے طریقے لکھے ہوتے ہیں اور مشین خریدنے والے لوگ بھی مشین استعمال کرنے سے پہلے کتاب میں لکھے اصول پڑھ لیتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے طریقے پر مشین کو استعمال کرتے ہیں اور اگر کتاب میں درج اصولوں کے خلاف وہ مشین استعمال کی جائے اور وہ خراب ہو جائے تو مشین تیار کرنے والا اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔اسی طرح انسانی جسم اللہ کی پیدا کردہ عظیم مشین ہے۔جس کے حیرت انگیز نظام کے بارے میں سائنسدان بھی حیران ہیں۔اور کئی ایک نے اس جسم کے نظام کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔اور کہا کہ اس قدر پیچیدہ نظام کے ساتھ چلنے والے اس جسم کا خالق کوئی بڑی قدرت والی ذات ہی ہو سکتی ہے۔چنانچہ اللہ نے اس جسم کو صحیح طریقے پر استعمال کرنے کے اصول قرآن شریف میں بتا دیئے۔اس کتاب پر عملی نمونہ حضور اکرم صلعم کی سنت ہے۔جو حدیث شریف کی شکل میں ہم تک پہنچی ہے۔جس سے انسانی جسم اور اس کی روح کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کا طریق معلوم ہوتا ہے۔

عظیم معجزہ

حضور اکرم صلعم کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار معجزات عطا فرمائے۔یوں تو آپ صلعم کی ذات اقدس سراپا اعجاز ہے۔لیکن آپ صلعم کو عطا کردہ سب سے عظیم معجزہ قرآن کریم ہے۔دنیا میں دیگر انبیاء کو ملنے والے معجزے وقتی تھے جو ان انبیاء کے زمانے میں مخصوص حالات میں ظاہر ہوئے لیکن قرآن کریم ایسا معجزہ ہے جو کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔قرآن کے معجزہ ہونے کے کئی پہلو ہیں۔ایک پہلو یہ ہے کہ قیامت تک ہمیشہ یہ محفوظ رہے گا۔اس کے الفاظ، زیر، زبر اور اس کے معانی کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے۔اور جس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدا نے لی ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی۔ہمارا مشاہدہ ہے کہ عیسائیوں کی انجیل اور یہودیوں کی تورات اور دیگر آسمانی کتب محفوظ نہیں ہیں۔اور ان میں ردوبدل ہو گیا ہے۔کیونکہ قرآن کی آمد کے بعد گذشتہ آسمانی کتابوں کا حکم منسوخ ہو گیا اور اللہ نے ان کی حفاظت کا اعلان بھی نہیں کیا۔اور پھر ان کتابوں کے علماء کا ماننا ہے کہ ان کی کتابیں محفوظ نہیں جبکہ ان کا برملا اعتراف بھی ہے کہ قرآن کریم اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔چونکہ قرآن کریم کا حکم اب قیامت تک چلتا رہے گا اس لئے اللہ نے اس کتاب کی حفاظت کے لئے

عجیب وغریب طریقے اختیار کئے ہیں۔قرآن کے علاوہ دیگر مشہور آسمانی کتابوں کے ایڈیشن شائع ہوتے رہتے ہیں۔اور دیکھا گیا ہے کہ ہر ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ اصلاح کردی جاتی ہے۔لیکن قرآن پاک کے تحفظ کا ایسا انتظام ہے کہ لاکھوں کروڑوں کی تعدا میں دنیا کے ہر ملک میں اس کی اشاعت ہوتی ہے لیکن مجال ہے کہ کسی ایڈیشن میں ایک زیر زبر کی بھی تبدیلی ہوئی ہو۔اللہ نے حفاظت قرآن کا سب سے محفوظ طریقہ یہ رکھا ہے اور یہ اعزاز صرف اس واحد کتاب کو حاصل ہے کہ اس کو زبانی یاد کرلیا جاتا ہے۔اسے یاد کرنے والے کو حافظ قرآن کہتے ہیں۔اور یہ ایک دو نہیں بلکہ دنیا کے چپے چپے میں لاکھوں کی تعداد میں اور ہر زمانے میں حفاظ تیار ہوتے ہیں۔اسلام کے مخالفوں نے قرآن کو مٹانے کے لئے سازش کے طور پر اس کے نسخے جلائے اور اسے دریا میں اس قدر بڑی مقدار میں پھینکا کہ اس کی سیاہی سے پانی کا رنگ بدل گیا۔لیکن کسی کے سینے میں محفوظ قرآن کو کون مٹا سکتا ہے۔اسی طرح حفاظت قرآن کا ایک اور معجزہ یہ ہے کہ اس کتاب کو بار بار پڑھا جاتا ہے۔دنیا میں قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں جسے دنیا بھر کے کروڑوں لوگ کثرت سے پڑھتے ہیں۔قرآن شریف ایسی کتاب ہے جسے بار بار پڑھا جاتا ہے۔اور اگر کوئی خوبصورت لحن میں قرات پڑھے تو اسے بار بار سننے کو جی چاہتا ہے۔قرآن شریف کا ایک اور اہم معجزہ یہ ہے کہ یہ کلام عربی زبان میں نازل ہوا۔اور ایک ایسے زمانے میں نازل ہوا جب کہ عرب میں عرب شاعری اپنی فصاحت اور بلاغت کے لئے مروج پر تھی۔ایسے زبان دانی کے عالم میں اللہ نے کلام الٰہی کو حضور اکرم صلعم پر نازل کیا اور کفار کو چیلنج کیا کہ وہ قرآن جیسی ایک سورۃ تو پیش کر کے دکھائیں۔اور پھر دعوے سے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ ایسا نہیں کرسکتے۔اور ہوا بھی یہی کہ کفار مکہ قرآن کے عجیب وغریب انداز بیان کا کوئی جواب پیش نہیں کرسکے۔قرآن حکیم علم،معرفت اور اسرارِ حقیقت کا خزانہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہم انسانوں کو اور خاص طور پر قرآن کی بیان کردہ حقیقتوں کا انکار کرنے والے منکرین کو آیات (نشانیاں) دکھاتے ہیں۔زمانہ بدلتا ہے اور بدلتا رہے گا۔لیکن کتاب الٰہی کا یہ معجزہ برابر ہر دور میں نظام زندگی کے لئے موثر اور بہترین رہنمائی فراہم کرتا رہے گا۔

قرآن مجید کی اثر پذیری

قرآن کا ایک اور معجزہ اس کی بے مثال فصاحت و بلاغت ہے۔سورۃ رحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورت انداز میں اپنی نعمتوں کا اظہار کیا اور ہر نعمت کے بعد آیت کے ذریعے لوگوں سے پوچھا کہ تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے۔قرآن کریم کی اثر پذیری کا یہ عالم تھا کہ کفار لوگوں سے کہتے پھرتے تھے کہ وہ قرآن کو نہ سنیں ورنہ وہ اس کے سحر میں گرفتار ہوجائیں گے۔لیکن اللہ نے جن کے مقدر میں ہدایت لکھ دی تھی وہ قرآن کو سن کر ہی ایمان لے آئے۔حضرت عمرؓ بھی اپنی بہن کے گھر قرآن سن کر ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔حضور اکرم صلعم کے زمانے میں کئی صحابہؓ نے قرآن سن کر ہی اسلام قبول کیا تھا۔قرآن کریم کا یہ معجزہ آج تک جاری ہے۔

کچھ دن پہلے میں نے ایک کتاب پڑھی جس میں نومسلموں کے واقعات لکھے تھے۔ان میں ایک واقعہ ایسے شخص کا تھا جس کو اکثر سمندری سفر میں رہنا ہوتا تھا۔وہ لکھتا ہے!

''میری زندگی کا بڑا حصہ پانی اور آسمان کے درمیان بسر ہوا۔ایک سفر کے دوران مجھے قرآن کا فرانسیسی ترجمہ پڑھنے کا موقع ملا۔یہ موسیو قاری کا ترجمہ تھا۔میں نے اسے کھولا تو سورۃ نور کی ایک آیت پر نظر پڑی جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔

ترجمہ:''جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے،اس کے اوپر ایک لہر چڑھی آرہی ہے۔اس کے اوپر ایک اور لہر ہے۔اس کے اوپر بادل ہے۔اندھیرے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں۔جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ بھی نہیں سکتا اور جسے اللہ روشنی نہ دے اسے کہیں بھی روشنی نہیں ملتی۔''(سورۃ نور:۲۴:۴۰)

میں نے اس آیت کو نہایت دلچسپی سے پڑھا جس میں سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔تو میں تمثیل کی عمدہ عکاسی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا۔میں نے خیال کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایک ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندری سفروں میں گزرے ہوں گے۔پھر بھی مجھے حیرت تھی کہ انہوں نے گہرائیوں میں لہروں کا تلاطم اور ان کی

(بقیہ صفحہ نمبر 15)

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

لیک از خُدائے برتر خیرالوری یہی ہے

کلام امام الزماںؑ

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا

نام اسکا ہے محمد ﷺ دِلبر میرا یہی ہے

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر

لیک از خُدائے برتر خیر الوری یہی ہے

پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے

اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

پہلے تو رہ میں ہارے پاس نے ہیں اُتارے

میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے

پردے جو تھے ہٹائے دلبر کی راہ دکھائے

دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی

دیکھاہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مُرسلیں ہے

وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے

جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے